خیرخواہی کے جذبے سے خلقِ خدا کو خدا کی طرف آپکی دعوت دیں، اور ان کی طرف سے اعراض یا کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اس پر توکل کریں، کیونکہ وہ رب العرش العظیم ہے، یہاں عرشِ عظیم کا رب کہہ کر یہ بتلانا منظور ہے کہ وہ کُل کائناتِ عالم پر محیط ہے۔

آخری دو آیتیں حضرت اُبی بن کعبؓ کے قول کے مطابق قرآن کی آخری آیتیں ہیں، ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، یہی قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ (قرطبی)

ان دو آیتوں کے بڑے فضائل حدیث میں مذکور ہیں، حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام یہ آیتیں سات مرتبہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام آسان فرما دیتے ہیں (قرطبی)، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، اَللّٰهُمَّ وَ فِّقْنِيْ لِتَكْمِيْلِهٖ
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَاَلْطُفْ بِنَا فِيْ تَيْسِيْرِ كُلِّ عَسِيْرٍ فَاِنَّ تَيْسِيْرَ كُلِّ
عَسِيْرٍ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ ؕ

## سورۂ توبہ تمام شد





# سُوْرَۃُ یُوْنُس علیہ السلام

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یونس مکہ میں نازل ہوئی ہے اور اسکی ایک سو نو آیتیں ہیں اور گیارہ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی، کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی

اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

ہم نے ایک مرد پر ان میں سے یہ کہ ڈر سنا دے لوگوں کو اور خوشخبری سنا دے ایمان لانے والوں کو

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا

کہ ان کے لئے پایہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں، کہنے لگے منکر بیشک یہ تو

لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

جادوگر ہے صریح، تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور

الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر تدبیر کرتا ہے کام کی

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ

کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد، وہ اللہ ہے رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ

کیا تم دھیان نہیں کرتے، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو، وعدہ ہے اللہ کا سچا، وہی

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پیدا کرتا ہے اول بار پھر دوبارہ کرے گا اس کو تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے تھے اور کئے تھے

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ

کام نیک انصاف کے ساتھ، اور جو کافر ہوئے ان کو پینا ہے کھولتا پانی

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴

اور عذاب ہے دردناک اس لئے کہ کفر کرتے تھے۔

## خُلاصۂ تفسیر

(الٓرٰ کا مطلب تو اللہ کو معلوم ہے) یہ (جو آگے آتی ہیں) پُرحکمت کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (جو بوجہ حق ہونے کے قابل جاننے کے اور ماننے کے ہیں اور چونکہ جن پر اس کا نزول ہوا ہے ان کی نبوت کا کفار انکار کرتے تھے اس لئے جواب فرماتے ہیں کہ) کیا ان (مکہ کے) لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس (جو کہ مثل ان کے بشر ہے) وحی بھیج دی (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ (عام طور پر) سب آدمیوں کو (احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر) ڈرائیے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا (یعنی اگر ایسا مضمون کسی بشر پر وحی کے ذریعہ سے نازل ہو جاوے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں مگر) کافر (اس قدر متعجب ہوئے کہ آپ کی نسبت) کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے (نبی نہیں ہے کیونکہ نبوت بشر کے لئے نہیں ہو سکتی) بلاشبہ تمہارا رب (حقیقی) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کر دیا (پس اعلیٰ درجہ کا قادر ہے) پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (کہ جو اس کی شان کے لائق ہے تاکہ عرش سے زمین و آسمان میں احکام جاری فرمائے، جیسا آگے ارشاد ہے کہ) وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے، (پس حکیم بھی ہے، اس کے سامنے) کوئی سفارش کرنے والا (سفارش) نہیں (کر سکتا) بدون اس کی اجازت کے (پس عظیم بھی ہوا، پس) ایسا اللہ تمہارا رب (حقیقی) ہے سو تم اس کی عبادت کرو (اور شرک مت کرو) کیا تم (ان دلائل کے سننے کے بعد) پھر بھی نہیں سمجھتے، تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اللہ نے (اس کا) سچا وعدہ کر رکھا ہے، بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی (قیامت کو) پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے (انصاف کے ساتھ (پوری پوری) جزا دے (اور اس میں ذرا کمی نہ کرے بلکہ بہت کچھ زیادہ دے دے) اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے (آخرت میں) کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا، اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔





## مَعارف ومَسائل

سورۂ یونس مکی سورتوں میں سے ہے بعض حضرات نے اس کی تین آیتوں کو مدنی کہا ہے جو ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

اس سورت میں بھی قرآن اور اسلام کے بنیادی مقاصد توحید، رسالت، آخرت وغیرہ کو کائناتِ عالم اور اس میں ہونے والے تغیرات ومشاہدات سے استدلال کر کے ذہن نشین کیا گیا ہے، اس کے ساتھ کچھ عبرت خیز تاریخی واقعات وقصص کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان کھلی نشانیوں پر نظر نہیں کرتے اور اس کے ضمن میں شرک کا ابطال اور اس سے متعلق بعض شبہات کا جواب ارشاد ہوا ہے، یہ خلاصہ ہے مضامینِ سورت کا، سورت کے ان مضامین پر غور کرنے سے یہ بھی بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ پچھلی سورت یعنی توبہ اور اس سورت میں باہمی کیا ربط ہے، سورۂ توبہ میں انہی مقاصد کے لئے منکرین وکفار کے ساتھ جہاد اور کفر وشرک کی طاقت کو مادی اسباب کے ذریعہ توڑنے کا بیان تھا، اور یہ سورت چونکہ احکام جہاد کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی اس میں مذکورہ مقاصد کو مکی دور کے قانون کے مطابق صرف دلائل وبراہین کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔

الٓرٰ، یہ حروف مقطعہ کہلاتے ہیں جو قرآن مجید کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ الٓمٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ وغیرہ ان کے معانی کی تحقیق میں مفسرین کی بحثیں طویل ہیں، صحابہ وتابعین اور جمہور سلف کی تحقیق اس قسم کے تمام حروفِ مقطعہ کے متعلق یہ ہے کہ یہ خاص رموز ہیں ان کے معنی غالباً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے گئے ہیں مگر آپ نے عام امت کو صرف ان علوم ومعارف سے آگاہ فرمایا جن کو ان کے ذہن برداشت کر سکیں اور جن کے معلوم نہ ہونے سے امت کے کاموں میں کوئی حرج واقع ہوتا ہے، حروفِ مقطعہ کے رموز ایسے نہیں جن پر امت کا کوئی کام موقوف ہو یا ان کے نہ جاننے سے ان کا کوئی حرج ہو، اس لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے معانی کو امت کے لئے غیر ضروری سمجھ کر بیان نہیں فرمایا اس لئے ہمیں بھی اس کی تفتیش میں نہ پڑنا چاہئے، کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اگر ان کے معانی جاننے میں ہماری مصلحت ہوتی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بیان کرنے میں کوتاہی نہ فرماتے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ میں لفظ تِلْكَ سے اشارہ اس سورت کی آیات کی طرف

ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے اس کی صفت اس جگہ حکیم کے لفظ سے بیان فرمائی ہے جس کے معنی اس جگہ حکمت والی کتاب کے ہیں۔

دوسری آیت میں مشرکین کے ایک شبہ اور اعتراض کا جواب ہے، شبہ کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے یہ قرار دے رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول یا پیغمبر آئے وہ بشر یعنی انسان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کوئی فرشتہ ہونا چاہئے، قرآن کریم نے ان کے اس لغو خیال کا جواب کئی جگہ مختلف عنوانات سے دیا ہے، ایک آیت میں ارشاد فرمایا قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا یعنی اگر زمین پر بسنے والے فرشتے ہوتے تو ہم ان کے لئے رسول بھی کسی فرشتہ ہی کو بناتے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسالت کا مقصد بغیر اس کے پورا نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے ان لوگوں میں اور اس رسول میں باہمی مناسبت ہو، فرشتوں کی مناسبت فرشتوں سے اور انسان کی انسان سے ہوتی ہے، جب انسانوں کے لئے رسول بھیجنا مقصد ہے تو کسی بشر ہی کو رسول بنانا چاہئے۔

اس آیت میں ایک دوسرے انداز سے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا اس بات پر تعجب کرنا کہ بشر کو کیوں رسول بنایا گیا اور اس کو نافرمان انسانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور فرماں برداروں کو اس کے ثواب کی خوشخبری سنانے کا کام کیوں سپرد کیا گیا، یہ تعجب خود قابلِ تعجب ہے کیونکہ جنس بشر کی طرف بشر کو رسول بنا کر بھیجنا عین مقتضائے عقل ہے۔

اس آیت میں ایمان والوں کو خوش خبری ان الفاظ میں دی گئی اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ، اس لفظ قدم کے اصلی معنی تو وہی ہیں جو اردو میں سمجھے جاتے ہیں یعنی پاؤں، چونکہ انسان کی سعی و عمل اور اس کے سبب ترقی کا ذریعہ قدم ہوتا ہے، اس لئے مجازاً بلند مرتبہ کو قدم کہہ دیا جاتا ہے، اور لفظ قدم کی اضافت صدق کی طرف کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ بلند مرتبہ جو ان کو ملنے والا ہے وہ سچا اور یقینی بھی ہے اور قائم و باقی رہنے والا لازوال بھی، دنیا کے منصبوں اور عہدوں کی طرح نہیں کہ کسی عمل کے نتیجہ میں اول تو ان کا حاصل ہونا ہی یقینی نہیں ہوتا اور حاصل بھی ہو جائے تو ان کا باقی رہنا یقینی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا فانی اور زائل ہونا یقینی ہے، کبھی تو زندگی ہی میں زائل ہو جاتا ہے اور موت کے وقت تو دنیا کے ہر منصب و عہدہ اور دولت و نعمت سے انسان خالی ہاتھ ہو جاتا ہے، غرض لفظ صدق کے مفہوم میں اس کا یقینی ہونا بھی شامل ہے اور کامل مکمل





لازوال ہونا بھی، اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوئے کہ ایمان والوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا درجہ ہے جو یقینی ملے گا اور لازوال دولت ہوگی۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ لفظ صدق لانے میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جنت کے یہ درجاتِ عالیہ صرف صدق و سچائی اور اخلاص ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں نرا زبانی جمع خرچ اور صرف زبان سے کلمۂ ایمان پڑھ لینا کافی نہیں جب تک دل اور زبان دونوں سے سچائی کے ساتھ ایمان اختیار نہ کر لیا جائے جس کا لازمی نتیجہ اعمالِ صالحہ کی پابندی اور برے اعمال سے پرہیز ہے۔

تیسری آیت میں توحید کو اس ناقابلِ انکار حقیقت کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ آسمان اور زمین کو پیدا کرنے میں اور پھر پورے عالم کے کاموں کی تدبیر کرنے اور چلانے میں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں تو پھر عبادت و طاعت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہو سکتا ہے، بلکہ کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا بڑی بے انصافی اور ظلم عظیم ہے۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا ہے، لیکن ہمارے عرف میں دن اس وقت کو کہا جاتا ہے جو آفتاب کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک ہوتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ آسمان و زمین اور ستاروں کے پیدا ہونے سے پہلے آفتاب ہی کا وجود نہیں تو طلوع و غروب کا حساب کیسے ہو اس لئے مراد یہاں وہ مقدار وقت ہے جو آفتاب کے طلوع و غروب کے درمیان اس جہان میں ہونے والی تھی۔

چھ دن کے تھوڑے سے وقت میں اتنے بڑے جہان کو جو آسمانوں اور زمین اور سیارات اور تمام کائنات عالم پر مشتمل ہے، بنا کر تیار کر دینا اسی ذات قدوس کا مقام ہے جو قادر مطلق ہے اس کی تخلیق کے لئے نہ پہلے سے خام اجناس کا موجود ہونا ضروری ہے اور نہ بنانے کے لئے کسی عملہ اور خدام کی ضرورت ہے بلکہ اس کی قدرت کاملہ کا یہ مقام ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہیں تو بغیر کسی سامان اور کسی کی امداد کے ایک آن میں پیدا فرما دیں، یہ چھ دن کی مہلت بھی خاص حکمت و مصلحت کی بنا پر اختیار کی گئی ہے ورنہ ان کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ تمام آسمان و زمین اور اس کی کائنات کو ایک آن میں پیدا فرما دیتے۔

اس کے بعد فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یعنی پھر قائم ہوا عرش پر۔ اتنی بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ عرش رحمٰن کوئی ایسی مخلوق ہے جو تمام آسمانوں اور زمین اور تمام کائناتِ عالم پر محیط ہے سارا جہاں اس کے اندر سمایا ہوا ہے، اس سے زائد اس کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، جو انسان اپنی سائنس کی انتہائی ترقی کے زمانہ

میں بھی صرف نیچے کے سیاروں تک پہنچنے کی تیاری میں ہے اور وہ بھی ابھی نصیب نہیں اور اس کا یہ اقرار ہے کہ اوپر کے سیارے ہم سے اتنے دور ہیں کہ آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ بھی ان کی معلومات تخمینہ اور اندازہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور بہت سے ستارے ایسے بھی ہیں جن کی شعاعیں ابھی تک زمین پر نہیں پہنچیں، حالانکہ شعاعِ نوری کی حرکت ایک منٹ میں لاکھوں میل بتائی جاتی ہے، جب سیاروں اور ستاروں تک انسان کی رسائی کا یہ حال ہے تو آسمان جو ان سب ستاروں اور سیاروں سے اوپر ہے اس کا یہ مسکین انسان کیا حال معلوم کرسکتا ہے، اور پھر جو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اور سب پر حاوی اور محیط عرشِ رحمٰن ہے اس کی حقیقت تک انسان کی رسائی معلوم،

آیتِ مذکورہ سے اتنا معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان وزمین اور تمام کائنات بنائی اور اس کے بعد عرش پر قیام فرمایا۔

یہ یقینی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جسم اور جسمانیت اور اس کی تمام صفات وخصوصیات سے بالاوبرتر ہے نہ اس کا وجود کسی خاص سمت اور جہت سے تعلق رکھتا ہے نہ اس کا کسی مکان میں قیام اس طرح کا ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ میں ہوتا ہے، پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ ہے، یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو انسان کی عقل وفہم نہیں پاسکتی اسی لئے قرآنِ حکیم کا ارشاد ان کے بارے میں یہ ہے کہ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۘ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ یعنی ان کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اور مضبوط اور صحیح علم والے اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت جاننے کی فکر میں نہیں پڑتے، اس لئے اس قسم کے تمام معاملات میں جن میں حق تعالیٰ کی نسبت کسی مکان یا جہت کی طرف کی گئی ہے یا جن میں حق تعالیٰ کے لئے اعضاء ید، وَجہ، ساق وغیرہ کے الفاظ قرآن میں وارد ہوئے، عقیدہ جمہور علمائے امت کا یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ پر حق ہیں اور ان سے جو مراد حق تعالیٰ کی ہے وہ صحیح ہے اور اس کی کیفیت وحقیقت کے جاننے کی فکر کو اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا جائے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن  کہ جاہا سپر باید انداختن

اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنٰی بیان فرمائے ہیں ان کے نزدیک بھی وہ محض ایک احتمال کے درجہ میں ہیں کہ شاید یہ معنٰی ہوں، اس معنٰی کو یقینی وہ نہیں فرماتے اور نہ سے احتمالات ظاہر ہے کہ کسی حقیقت کا انکشاف نہیں کرسکتے، اس لئے صاف اور سیدھا





مسلک سلف صالحین اور صحابہ وتابعین ہی کا ہے جنہوں نے ان چیزوں کی حقیقت کو علمِ الٰہی کے سپرد کرنے پر قناعت فرمائی، اس کے بعد فرمایا يُدَبِّرُ الْأَمْرَ یعنی عرش پر مستوی ہوکر وہ تمام عالموں کا انتظام خود دستِ قدرت سے انجام دیتا ہے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ، یعنی کسی نبی ورسول کو بھی اس کی بارگاہ میں سفارش کرنے کی بذاتِ خود کوئی مجال نہیں، جب تک حق تعالیٰ ہی ان کو سفارش کرنے کی اجازت عطا نہ فرمادیں وہ بھی کسی کی سفارش نہیں کرسکتے۔

چوتھی آیت میں عقیدۂ آخرت کا بیان ہے إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا یعنی اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب کو، وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا یہ وعدہ اللہ کا حق اور صحیح إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ یعنی وہ اول پیدا کرتا ہے تمام مخلوق کو اور وہی اس کو قیامت میں دوبارہ زندہ فرمائے گا، اس جملہ میں بتلادیا کہ اس پر کوئی تعجب کرنے کی جگہ نہیں کہ یہ ساری کائنات فنا ہوجانے کے بعد پھر کیسے زندہ ہوگی کیونکہ جس ذاتِ اقدس کے قبضہ میں یہ ہے کہ اول کسی چیز کو بغیر کسی مادہ کے اور بغیر کسی سابقہ شکل وصورت کے پیدا کردے اُس کے لئے کیا مشکل ہے کہ پیدا شدہ مخلوق کو فنا کرنے کے بعد پھر دوبارہ پیدا کردے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو چاندنا اور مقرر کیں اس کے لئے

مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ

منزلیں تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب، یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے

ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ فِي

یہ سب کچھ مگر تدبیر سے، ظاہر کرتا ہے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جن کو سمجھ ہے، البتہ

اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦﴾

نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں۔

## خلاصۂ تفسیر

وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو (بھی) نورانی بنایا اور اس

اکی چال) کے لئے منزلیں مقرر کیں (کہ ہر روز ایک منزل قطع کرتا ہے) تاکہ (ان اجرام کے ذریعہ سے) تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں، بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید کے) دلائل ہیں جو (خدا کا) ڈر مانتے ہیں۔

## معارف ومسائل

ان آیتوں میں کائناتِ عالم کی بہت سی نشانیاں مذکور ہیں جو اللہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر شاہد اور اس کے دلائل ہیں کہ رب العزت اس پر پوری طرح قادر ہے کہ اس عالم کو فنا کرنے اور ذرہ ذرہ کردینے کے بعد پھر ان ذرات کو جمع کردے اور از سرِ نو ان سب کو زندہ کردے اور حساب وکتاب کے بعد جزاء وسزاء کا قانون نافذ کردے اور یہ کہ یہی عقل وحکمت کا مقتضی ہے، اس طرح یہ آیتیں اس اجمال کی تفصیل ہیں جو گزشتہ تیسری آیت میں آسمان وزمین کی چھ دن میں پیدائش اور پھر استواء علی العرش کے بعد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کے الفاظ میں بیان کیا تھا کہ اس نے عالم کو صرف پیدا کرکے نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر وقت ہر آن میں ہر چیز کا نظام وانتظام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اسی نظام وانتظام کا ایک جزء یہ ہے هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا ضیاء اور نور دونوں کے معنی چمک اور روشنی کے ہیں اسی لئے بہت سے ائمۂ لغت نے ان دونوں لفظوں کو مرادف کہا ہے، علامہ زمخشری اور طیبی وغیرہ نے فرمایا کہ اگرچہ روشنی کے معنیٰ ان دونوں لفظوں میں مشترک ہیں مگر لفظ نور عام ہے، ہر قوی وضعیف ہلکی اور تیز روشنی کو نور کہا جاتا ہے اور ضوء وضیاء قوی اور تیز روشنی کو کہتے ہیں، انسان کو دونوں قسم کی روشنیوں کی ضرورت پڑتی ہے، عام کاروبار کے لئے دن کی تیز روشنی درکار ہے اور معمولی کاموں کے لئے رات کی ہلکی روشنی محبوب ہے، اگر دن کو بھی صرف چاند کی پھیکی روشنی رہے تو کاروبار میں خلل آئے اور رات کو بھی آفتاب چمکتا رہے تو نیند اور رات کے مناسب کاموں میں خلل آئے، اس لئے قدرت نے دونوں طرح کی روشنی کا انتظام اس طرح فرمایا کہ آفتاب کی روشنی کو ضوء وضیاء کا درجہ دیا اور کاروبار کے وقت اس کا ظہور فرمایا اور چاند کی روشنی کو ہلکی اور پھیکی روشنی بنایا اور رات کو اس کا محل ظہور بنایا۔

قرآن کریم نے شمس وقمر کی روشنیوں میں فرق وامتیاز کو متعدد جگہ مختلف عنوانات سے





بیان فرمایا ہے، سورۂ نوح میں ہے وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا، سورۂ فرقان میں فرمایا وَجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا، سراج کے معنیٰ چراغ کے ہیں اور چونکہ چراغ کا نور ذاتی ہوتا ہے کسی دوسری چیز سے حاصل کردہ نہیں ہوتا اس لئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ضیاء کسی چیز کی ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نور اس کو جو دوسرے سے مستفاد اور حاصل کردہ ہو، مگر یہ بظاہر یونانی فلسفہ سے متاثر ہوکر کہا گیا ہے ورنہ لغت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور قرآن کریم نے بھی اس کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔

زجاج نے لفظ ضیاء کو ضوء کی جمع قرار دیا ہے، اس کی رو سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ روشنی کے سات مشہور رنگ اور قسمیں جو دنیا میں پائی جاتی ہیں آفتاب ان تمام اقسام کا جامع ہے جو بارش کے بعد قوس قزح میں ظاہر ہوتے ہیں۔ (منار)

نظامِ شمس وقمر میں آیاتِ قدرت کا ایک دوسرا مظاہرہ یہ ہے وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ، قَدَّرَ لفظِ تقدیر سے بنا ہے، تقدیر کے معنیٰ کسی چیز کو زمانہ یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں، رات اور دن کے اوقات کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لئے قرآن کریم نے فرمایا وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ، مکانی فاصلے اور مسافت کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لئے دوسری جگہ ملکِ شام اور سبا کی درمیانی بستیوں کے متعلق فرمایا وَقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ، اور عام مقادیر کے متعلق فرمایا وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔

لفظ مَنَازِلَ مَنْزِل کی جمع ہے جس کے اصلی معنیٰ جائے نزول کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر دونوں کی رفتار کے لئے خاص حدود مقرر فرمائی ہیں جن میں سے ہر ایک کو منزل کہا جاتا ہے، چاند چونکہ اپنا دورہ ہر مہینہ میں پورا کرلیتا ہے اس لئے اس کی منزلیں تیس یا انتیس ہوتی ہیں مگر چونکہ ہر مہینہ میں چاند کم از کم ایک دن غائب رہتا ہے اس لئے عموماً چاند کی منزلیں اٹھائیس کہی جاتی ہیں، اور آفتاب کا دورہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے اس کی منزلیں تین سو ساٹھ یا پینسٹھ ہوتی ہیں، قدیم جاہلیت عرب میں بھی اور اہل ہیئت وریاضی کے نزدیک بھی ان منزلوں کے خاص خاص نام ان ستاروں کی مناسبت سے رکھ دیئے گئے ہیں جو ان منازل کی محاذات میں پائے جاتے ہیں، قرآن کریم ان اصطلاحی ناموں سے بالاتر ہے، اس کی مراد صرف وہ فاصلے ہیں جن کو شمس وقمر خاص خاص دنوں میں طے کرتے ہیں۔

آیتِ مذکورہ میں قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ بضمیر مفرد استعمال کیا ہے، حالانکہ منزلیں شمس وقمر دونوں کی ہیں، اس لئے بعض حضراتِ مفسرین نے فرمایا کہ اگرچہ ذکر مفرد کا ہے مگر مراد ہر ہر واحد کے

اعتبار سے دونوں ہیں جس کی نظائر قرآن اور عربی محاورات میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگرچہ منزلیں اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر دونوں ہی کے لئے قائم فرمادی ہیں مگر اس جگہ بیان صرف چاند کی منازل کا مقصود ہے اس لئے قَدَّرَهٗ کی ضمیر قمر کی طرف راجع ہے، وجہ تخصیص کی یہ ہے کہ آفتاب کی منزلیں تو آلاتِ رصدیہ اور حسابات کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں اس کا طلوع و غروب ایک ہی ہیئت میں سال کے تمام ایام میں ہوتا رہتا ہے، مشاہدہ سے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا کہ آج آفتاب کونسی منزل میں ہے، بخلاف چاند کے کہ اس کے حالات ہر روز مختلف ہوتے ہیں آخر ماہ میں بالکل نظر نہیں آتا، اس طرح کے تغیرات کے مشاہدہ سے بے علم لوگ بھی تاریخوں کا پتہ چلا سکتے ہیں، مثلاً آج مارچ کی آٹھ تاریخ ہے کوئی شخص آفتاب کو دیکھ کر یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ آٹھ ہے یا اکیس بخلاف چاند کے کہ اس کو دیکھ کر بھی تاریخ کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں چونکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان نشانیوں سے انسان کا یہ فائدہ بھی وابستہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ سال اور مہینہ اور اسکی تاریخوں کا حساب معلوم کرے اور یہ حساب بھی اگرچہ شمس و قمر دونوں ہی سے معلوم ہوسکتا ہے اور دنیا میں دونوں طرح کے سال اور مہینے شمسی اور قمری قدیم زمانہ سے معروف بھی ہیں اور قرآن کریم نے بھی سورۂ اسراء کی آیت ۱۲ میں فرمایا وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ، اس میں آیۃ الیل سے مراد چاند اور آیۃ النہار سے مراد آفتاب ہے، اور دونوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان سے تم سالوں کا عدد اور مہینوں کی تاریخوں کا حساب معلوم کرسکتے ہو، اور سورۂ رحمٰن میں فرمایا اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، جس میں بتلایا گیا ہے کہ شمس و قمر دونوں کے ذریعہ تاریخ مہینہ اور سال کا حساب معلوم کیا جاسکتا ہے۔

لیکن قمر کے ذریعہ مہینہ اور تاریخ کا حساب مشاہدہ اور تجربہ سے معلوم ہے بخلاف شمس کے کہ اس کے حسابات سوائے ریاضی والوں کے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا، اس لئے اس آیت میں شمس و قمر دونوں کا ذکر کرنے کے بعد جب ان کی منازل مقرر کرنے کا ذکر فرمایا تو بضمیر مفرد قَدَّرَهٗ ارشاد فرماکر منازل صرف قمر کی بیان فرمائی گئیں۔

اور چونکہ احکام اسلام میں ہر جگہ ہر موقع پر اس کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ان کی ادائیگی ہر شخص کے لئے آسان ہو خواہ وہ کوئی لکھا پڑھا آدمی ہو یا اَن پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، اسی لئے عموماً احکام اسلامیہ میں قمری سن اور مہینہ اور تاریخوں کا اعتبار کیا گیا ہے، نماز، روزہ،





حج، زکوٰۃ، عدت وغیرہ اسلامی فرائض و احکام میں قمری حساب ہی رکھا گیا ہے۔

اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے مگر اپنے کاروبار، تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے، شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری فروری وغیرہ کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، فقہاء رحمہم اللہ نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔

اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ سنت انبیاء اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین میں قمری ہی حساب استعمال کیا گیا ہے اس کا اتباع موجب برکت و ثواب ہے۔

غرض آیتِ مذکورہ میں اللہ جل شانہ کی قدرت اور حکمتِ کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے روشنی کے دو عظیم الشان خزانے مناسب حال پیدا فرمائے اور پھر ہر ایک کی رفتار کے لئے ایسے پیمانے مقرر فرمادیئے جن سے سال مہینہ، تاریخ اور اوقات کے ایک ایک منٹ کا حساب معلوم کیا جاسکتا ہے، نہ کبھی ان کی رفتار میں فرق آتا ہے نہ کبھی آگے پیچھے ہوتے ہیں، نہ ان خداساز مشینوں میں کبھی مرمت کا وقفہ ہوتا ہے نہ ان کو گریسنگ کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وہ کبھی گھستی ٹوٹتی ہیں، جس شان سے ازل میں چلا دیا تھا چل رہی ہیں۔

اس کے بعد آخر آیت میں اسی پر مزید تنبیہ کے لئے فرمایا مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ، یعنی ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ پیدا نہیں کیا بلکہ ان میں بڑی بڑی حکمتیں اور انسان کے لئے بے شمار فوائد مضمر ہیں، وہ یہ دلائل اُن لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو عقل و دانش رکھتے ہیں۔

اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اُن سب میں اُن لوگوں کے واسطے (توحید و آخرت کے) دلائل ہیں جو خدا تعالیٰ کا ڈر مانتے ہیں۔

توحید کے دلائل تو قدرت و صنعت کی یکتائی اور بغیر کسی امداد کے ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا اور ایسے نظام کے ساتھ چلانا ہے جو نہ کبھی ٹوٹتا ہے نہ بدلتا ہے۔

اور آخرت کے دلائل اس لئے ہیں کہ جس ذاتِ حکیم نے ان تمام چیزوں کو انسانوں کے

فائدہ کے لئے بنایا اور ایک محکم نظام کا پابند کیا، اُس سے یہ ممکن نہیں کہ اس مخدوم کائنات کو اس نے بے فائدہ محض کھانے پینے کے لئے پیدا کیا ہو، اس کے ذمہ کچھ فرائض نہ لگائے ہوں، اور جب یہ لازم ہوا کہ اس مخدوم کائنات پر بھی کچھ پابندیاں ہونا ضروری ہے تو یہ بھی لازم ہوا کہ ان پابندیوں کو پورا کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کا کبھی کہیں حساب ہو، کرنیوالوں کو اچھا بدلہ ملے اور نہ کرنے والوں کو سزا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس دنیا میں تو جزا، وسزا کا یہ دستور نہیں، یہاں تو مجرم بسا اوقات متقی پارسا سے زیادہ اچھی زندگی گزارتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ حساب اور جزا، وسزا کا کوئی دن مقرر ہو، اسی کا نام قیامت اور آخرت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا

البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن

بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ

ہوگئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں، ایسوں کا ٹھکانہ ہے آگ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بدلہ اس کا جو کماتے تھے، البتہ جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي

ہدایت کرے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

باغوں میں آرام کے، ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ اور ملاقات ان کی

فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ع ۱۰

سلام، اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو جو پروردگار ہے سارے جہان کا۔

## خُلاصۂ تفسیر

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں (آخرت کی طلب اصلاً نہیں کرتے، اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (آئندہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے (جو کہ بعث پر دلالت کرتی ہیں) بالکل غافل ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے (ان) اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کا رب ان کو بوجہ ان کے مؤمن ہونے کے ان کے مقصد (یعنی جنت)





تک پہنچا دے گا، ان کے (مسکن کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی چین کے باغوں میں (اور جس وقت وہ جنت میں جاویں گے اور عجائبات کا دفعۃً معائنہ کریں گے تو اس وقت) ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ اور (پھر جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو) اُن کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور (جب اطمینان سے وہاں جا بیٹھیں گے اور اپنے پرانے مصائب اور متاعب اور اس وقت کے غیر مکدر دائمی عیش کا موازنہ کریں گے تو) ان کی (اس وقت کی باتوں میں) اخیر بات یہ ہوگی الحمد للہ رب العلمین (جیسا دوسری آیت میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ)۔

## مَعارف ومَسائِل

پچھلی آیات میں اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت کے خاص خاص مظاہر آسمان اور زمین، شمس وقمر وغیرہ کی تخلیق کا ذکر کرکے عقیدۂ توحید وآخرت کو ایک بلیغ انداز میں ثابت کیا گیا تھا، مذکور الصدر آیات میں سے پہلی تین آیتوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کائنات عالم کی ایسی کھلی کھلی نشانیوں اور شہادتوں کے باوجود، انسانوں کے دو طبقے ہوگئے، ایک وہ جس نے ان آیات قدرت کی طرف ذرا دھیان نہ دیا، نہ اپنے پیدا کرنے والے مالک کو پہچانا اور نہ اس پر غور کیا کہ ہم دنیا کے عام جانوروں کی طرح ایک جانور نہیں، رب العزت نے ہمیں ادراک وشعور عقل وہوش تمام جانوروں سے زیادہ دیا ہے اور ساری مخلوقات کو ہمارا خادم بنا دیا ہے تو ہمارے ذمہ بھی کوئی کام لگایا ہوگا اور اس کا ہمیں بھی حساب دینا ہوگا جس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی روز حساب اور روز جزاء مقرر ہو جس کو قرآن کی اصطلاح میں قیامت اور حشر ونشر سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلکہ انہوں نے اپنی زندگی کو عام جانوروں کی سطح پر رکھا، پہلی دو آیتوں میں اُن لوگوں کی خاص علامات بتلا کر ان کی سزائے آخرت کا ذکر کیا گیا ہے، فرمایا کہ "جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی اور اس کی راحت وتکلیف کو بھلا کر صرف دنیا کی زندگی پر راضی ہوگئے"۔

دوسرے یہ کہ، "اس دنیا میں ایسے مطمئن ہو کر بیٹھے ہیں کہ گویا یہاں سے کہیں جانا ہی نہیں ہمیشہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے، ان کو کبھی یہ دھیان نہیں آتا کہ اس دنیا سے ہر شخص کو رخصت ہونا تو ایسا بدیہی مسئلہ ہے جس میں کبھی کسی کو شبہ ہی نہیں ہو سکتا، اور جب یہاں سے جانا یقینی ہے تو جہاں جانا ہے وہاں کی کچھ تیاری ہونا چاہئے"۔

تیسرے یہ کہ "یہ لوگ ہماری آیتوں اور نشانیوں سے مسلسل غفلت ہی غفلت میں ہیں،

اگر وہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی عام مخلوقات میں اور خود اپنے نفس میں ذرا بھی غور کرتے تو حقیقتِ حال کا سمجھنا کچھ مشکل نہ ہوتا اور وہ اس احمقانہ غفلت سے نکل سکتے تھے۔

ایسے لوگ جن کی یہ علامات بتلائی گئیں ان کی سزا آخرت میں یہ ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے اور یہ سزا خود ان کے اپنے عمل کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ قرآنِ کریم نے جو علامات کفار ومنکرین کی بتلائی ہیں آج ہم مسلمانوں کا حال ان سے کچھ ممتاز نہیں، ہماری زندگی اور ہمارے شب وروز کے اشغال وافکار کو دیکھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ ہمیں اس دنیا کے سوا اور بھی کوئی فکر لگی ہوئی ہے اور اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو پکا اور سچا مسلمان باور کئے ہوئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ سچے اور پکے مسلمان، جیسے کہ ہمارے اسلاف تھے ان کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ کسی ہستی کا خوف اور کسی حساب کی فکر دل میں رکھتے ہیں، اور تو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی باوجود گناہوں سے معصوم ہونیکے یہی حال تھا، شمائلِ ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات غمگین اور متفکر نظر آتے تھے۔

تیسری آیت میں ان خوش نصیب انسانوں کا ذکر ہے جنہوں نے اللہ جل شانہٗ کی آیاتِ قدرت میں غور کیا اور اس کو پہچانا، اس پر ایمان لائے اور ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کر کے اعمالِ صالحہ کے پابند ہو گئے۔

قرآنِ کریم نے ان حضرات کے لئے دنیا وآخرت میں جو اچھا صلہ اور جزاء مقرر فرمائی ہے اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ، یعنی ان کا رب ان کو ایمان کی وجہ سے منزلِ مقصود یعنی جنت دکھلائے گا، جس میں چین وآرام کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔

اس میں لفظ ہدایت آیا ہے جس کے مشہور معنیٰ راستہ بتلانے اور دکھلانے کے ہیں، اور کبھی منزلِ مقصود تک پہنچا دینے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس مقام پر یہی معنیٰ مراد ہیں اور منزلِ مقصود سے مراد جنت ہے جس کی وضاحت بعد کے الفاظ میں ہو گئی ہے، جس طرح پہلے طبقہ کی سزا ان کے اپنے کرتوت کا نتیجہ تھی اسی طرح اس دوسرے مؤمن طبقہ کی جزاء کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہترین جزاء ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے ملی ہے اور چونکہ اوپر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر آچکا ہے اس لئے اس جگہ ایمان سے وہی ایمان مراد ہو گا جس کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی ہوں، ایمان اور عملِ صالح کا بدلہ بے نظیر راحتوں اور نعمتوں کا مقام جنت ہے۔





چوتھی آیت میں جنت میں پہنچنے کے بعد اہلِ جنت کے چند مخصوص حالات بتلائے ہیں، اول یہ کہ دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ، اس میں لفظ دعویٰ اپنے مشہور معنیٰ میں نہیں جو کوئی مدعی اپنے حریف کے مقابلہ میں کیا کرتا ہے، بلکہ اس جگہ لفظ دعویٰ دعاء کے معنی میں ہے۔ معنیٰ یہ ہیں کہ اہلِ جنت کی دعاء جنت میں پہنچنے کے بعد یہ ہو گی کہ وہ سبحانک اللّٰھم کہتے رہیں گے یعنی اللہ جل شانہٗ کی تسبیح کیا کریں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دعاء تو عرفِ عام میں کسی چیز کی درخواست اور کسی مقصد کے طلب کرنے کو کہا جاتا ہے، سبحانک اللّٰھم میں نہ کوئی درخواست ہے نہ طلب، اس کو دعاء کس حیثیت سے کہا گیا؟

جواب یہ ہے کہ اس کلمہ سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ اہلِ جنت کو جنت میں ہر راحت ہر مطلب من مانے انداز سے خود بخود حاصل ہو گی، کسی چیز کو مانگنے اور درخواست کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو گی، اس لئے درخواست وطلب اور معروف دعاء کے قائم مقام ان کی زبانوں پر صرف اللہ کی تسبیح ہو گی اور وہ بھی دنیا کی طرح کوئی فریضہ عبادت ادا کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ اس کلمۂ تسبیح سے لذت محسوس کریں گے اور اپنی خوشی سے سبحانک اللّٰھم کہا کریں گے، اس کے علاوہ ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جو بندہ میری حمد وثنا میں ہر وقت لگا رہے یہاں تک کہ اس کو اپنے مطلب کی دعاء مانگنے کی بھی فرصت نہ رہے تو میں اس کو تمام مانگنے والوں سے بہتر چیز دوں گا یعنی بے مانگے اس کے سب کام پورے کر دوں گا"۔ اس حیثیت سے بھی لفظِ سبحانک اللّٰھم کو دعاء کہہ سکتے ہیں۔

اسی معنیٰ کے اعتبار سے صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف وبے چینی پیش آتی تو آپ یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

اور امام طبری نے فرمایا کہ سلفِ صالحین اس کو دعاءِ کرب کہا کرتے تھے، اور مصیبت و پریشانی کے وقت یہ کلمات پڑھ کر دعا مانگا کرتے تھے۔ (تفسیرِ قرطبی)

اور امام ابن جریر، ابن منذر وغیرہ نے ایک یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اہلِ جنت کو جب کسی چیز کی ضرورت اور خواہش ہو گی تو وہ سبحانک اللّٰھم کہیں گے، یہ سنتے ہی فرشتے ان کے مطلب کی چیز حاضر کر دیں گے، گویا کلمہ سبحانک اللّٰھم اہلِ جنت کی ایک خاص اصطلاح ہو گی جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہش کا اظہار کریں گے اور ملائکہ ہر مرتبہ اس کو پورا کر دیں گے۔ (روح المعانی)

(قرطبی)، اس لحاظ سے بھی کلمہ سبحانک اللہم کو دُعاء کہا جاسکتا ہے۔

اہل جنت کا دوسرا حال یہ بتلایا کہ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ، تحیۃ عرف میں اس کلمہ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا خوش آمدید یا اَہلاً و سَہلاً وغیرہ، اس آیت نے بتلایا کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یا فرشتوں کی طرف سے اہل جنت کا تحیہ لفظ سلام سے ہوگا، یعنی یہ خوش خبری کہ تم ہر تکلیف اور ناگوار چیز سے سلامت رہوگے، یہ سلام خود حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے جیسے سورہ یٰس میں ہے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ، اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے جیسے دُوسری جگہ ارشاد ہے وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یعنی فرشتے اہل جنت کے پاس ہر دروازہ سے سلام علیکم کہتے ہوئے داخل ہوں گے۔ اور ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ کسی وقت براہ راست اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے اور کسی وقت فرشتوں کی طرف سے، اور سلام کا لفظ اگرچہ دنیا میں دُعاء ہے لیکن جنت میں پہنچ کر تو ہر مطلب حاصل ہوگا اس لئے وہاں یہ لفظ دعاء کے بجائے خوش خبری کا کلمہ ہوگا (روح)

تیسرا حال اہل جنت کا یہ بتلایا کہ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، یعنی اہل جنت کی آخری دُعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کو جنت میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ترقی نصیب ہوگی جیسا کہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں فرمایا کہ جنت میں پہنچ کر عام اہل جنت کو علم و معرفت کا وہ مقام حاصل ہوجائے گا جو دنیا میں علماء کا ہے، اور علماء کو وہ مقام حاصل ہوجائے گا جو یہاں انبیاء کا ہے، اور انبیاء کو وہ مقام حاصل ہوجائے گا جو دنیا میں سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں قرب خداوندی کا انتہائی مقام حاصل ہوگا، اور ممکن ہے کہ اسی مقام کا نام مقام محمود ہو جس کے لئے اذان کی دعاء میں آپ نے دعاء کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل جنت کی ابتدائی دعاء سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اور آخری دعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہوگی، اس میں اللہ جل شانہٗ کی صفات کی دُو قسموں کی طرف اشارہ ہے، ایک صفاتِ جلال، جن میں اللہ جل شانہٗ کے ہر عیب اور ہر برائی سے پاک ہونے کا ذکر ہے دوسری صفاتِ اکرام، جن میں اس کی بزرگی و برتری اور اعلیٰ کمال کا ذکر ہے، قرآن کریم کی آیت تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ میں ان دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سبحانیت اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلال میں سے ہے اور مستحق حمد و ثنا





۲۳

ہونا صفاتِ اکرام میں سے ہے اور ترتیب طبعی کے مطابق صفاتِ جلال صفاتِ اکرام سے مقدم ہیں، اس لئے اہل جنت شروع میں صفاتِ جلال کو بلفظ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ بیان کریں گے اور آخر میں صفاتِ اکرام کو بلفظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ذکر کریں گے، یہی ان کا رات دن کا مشغلہ ہے۔

اور ان تینوں احوال کی ترتیب طبعی یہ ہے کہ اہل جنت جب سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے تو اس کے جواب میں ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچے گا، اس کے نتیجہ میں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہیں گے۔ (روح المعانی)

**احکام و مسائل** قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ کھانے پینے اور تمام کاموں میں سنت اہل جنت کے اس عمل کے مطابق یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے اور الحمد للہ پر ختم کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ جب کوئی چیز کھائے پیئے تو بسم اللہ سے شروع کرے اور فارغ ہو کر الحمد للہ کہے۔

مستحب ہے کہ دعا کرنے والا آخر میں یہ کہا کرے وَاٰخِرُ دَعْوٰىنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور قرطبی نے فرمایا کہ اس کے ساتھ بہتر یہ ہے کہ سورۂ صٰفّٰت کی آخری آیتیں بھی پڑھے یعنی سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

اور اگر جلدی پہنچادے اللہ لوگوں کو برائی جیسے کہ جلدی مانگتے ہیں وہ بھلائی تو ختم کردی جائے

اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

ان کی عمر، سو ہم چھوڑے رکھتے ہیں ان کو جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی ان کی شرارت میں

يَعْمَهُوْنَ ⑪ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ

سرگرداں، اور جب پہنچے انسان کو تکلیف، پکارے ہم کو پڑا ہوا یا

قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ

بیٹھا یا کھڑا، پھر جب ہم کھول دیں اس سے وہ تکلیف چلا جائے گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو

اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫

کسی تکلیف پہنچنے پر، اسی طرح پسند آیا بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں،

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ

اور البتہ ہم ہلاک کرچکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے جب ظالم ہوگئے ، حالانکہ لائے تھے انکے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

رسول ان کے کھلی نشانیاں ، اور ہرگز نہ تھے ایمان لانے والے ، یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ

قوم گنہگاروں کو ، پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں

مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو ، اور جب پڑھی جاتی ہیں انکے سامنے

اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ

آیتیں ہماری واضح ، کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے

هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ

سوا یا اس کو بدل ڈال ، تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے ،

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف ، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ

عذاب سے ، کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا اس کو تمہارے سامنے اور نہ وہ تم کو خبر کرتا

بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اس کی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے ، کیا پھر تم نہیں سوچتے ،

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ

پھر اس سے بڑا ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بیشک

لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا ۔

## خلاصۂ تفسیر

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر (ان کی جلدی مچانے کے موافق) جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں (اور اس کے موافق وہ فائدہ جلد واقع





کر دیتا ہے اسی طرح اگر نقصان بھی واقع کر دیا کرتا) تو ان کا وعدہ (عذاب) کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (لیکن ہماری حکمت جس کا بیان ابھی آتا ہے چونکہ اس کو مقتضی نہیں ہے) سو (اس لئے) ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال پر (بلا عذاب چند روز) چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (اور مستحق عذاب کے ہو جاویں اور وہ حکمت یہی ہے)، اور جب انسان کو (یعنی ان میں سے بعض کو) کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، (اور اس وقت کوئی بت وغیرہ یاد نہیں رہتا ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ) پھر جب (اس کی دعا والتجاء کے بعد) ہم اس کی وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی حالت پر آجاتا ہے (اور ہم سے ایسا بے تعلق ہو جاتا ہے) کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا (اور پھر وہی شرک کی باتیں کرنے لگتا ہے، لَيْسِىَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا) ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال (بد) ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں (جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے) اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو (انواع عذاب سے) ہلاک کر دیا ہے جب کہ انہوں نے ظلم (یعنی کفر و شرک) کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ (بوجہ غایت عناد کے) ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے، ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ہے) پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ (ظاہری طور پر بھی) ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو (آیا ویسا ہی شرک و کفر کرتے ہو یا ایمان لاتے ہو) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ سے) یوں کہتے ہیں کہ (یا تو) اس کے سوا کوئی (پورا) دوسرا قرآن (ہی) لائیے (جس میں ہمارے مسلک کے خلاف مضامین نہ ہوں) یا (کم از کم) اسی (قرآن) میں کچھ ترمیم کر دیجئے (کہ ہمارے مسلک کے خلاف مضامین اس سے حذف کر دیجئے اور اس منطوق سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ وہ لوگ قرآن کو کلام محمدی سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ اسی بناء پر جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ) آپ یوں کہہ دیجئے کہ (قطع نظر اس سے کہ ایسے مضامین کا حذف کرنا فی نفسہ کیسا ہے خود) مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کروں (اور جب بعض کا حذف بھی ممکن نہیں تو کل کا حذف تو بدرجۂ اولیٰ ناممکن ہے کیونکہ وہ میرا کلام تو ہے ہی نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے آیا ہے (جب یہ ہے تو) بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے (اور بالفرض خدانخواستہ) اگر میں (وحی کا اتباع نہ کروں بلکہ) اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے

عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں (جو اہلِ عصیان کے لئے مخصوص ہے اور بوجہ عصیان کے تمہارے نصیب میں ہے سو میں تو اس عذاب یا اس کے سبب یعنی عصیان کی جرأت نہیں رکھتا اور اگر ان کو اس کے وحی ہونے میں کلام ہے اور یہ آپ ہی کا کلام سمجھے جاتے ہیں تو) آپ یوں کہہ دیجئے کہ (یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کلام معجز ہے کوئی بشر اس پر قادر نہیں ہو سکتا خواہ میں ہوں یا تم ہو سو) اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا (کہ میں یہ کلام معجز تم کو نہ سنا سکوں اور اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے تم کو اس کی اطلاع نہ دے) تو (مجھ پر اس کو نازل نہ فرماتا پس) نہ تو میں تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا (پس جب میں تم کو سنا رہا ہوں اور میرے ذریعہ سے تم کو اطلاع ہو رہی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کلام معجز کا سنوانا اور اطلاع کرنا منظور ہوا اور سنانا اور اطلاع دینا بدون وحی کے بوجہ اس کے معجز ہونے کے ممکن نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ وحی منزل اور کلام الٰہی ہے، کیونکہ (آخر) اس (کلام کے ظاہر کرنے) سے پہلے بھی تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں (پھر اگر یہ میرا کلام ہے تو یا تو اتنی مدت تک ایک جملہ بھی اس طرز کا نہ نکلا اور یا دفعۃً اتنی بڑی بات بنالی یہ تو بالکل عقل کے خلاف ہے) پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے ہو (جب اس کا کلام الٰہی اور حق ہونا ثابت ہو گیا اور پھر بھی مجھ سے درخواست ترمیم کی کرتے ہو اور اس کو نہیں مانتے تو سمجھ لو کہ) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے (جیسا میرے لئے تجویز کرتے ہو) یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلاوے (جیسا اپنے لئے تجویز کر رکھا ہے) یقیناً ایسے مجرموں کو اصلاً فلاح نہ ہوگی (بلکہ معذّب ابدی ہوں گے)

## معارف و مسائل

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو آخرت کے منکر ہیں، اسی وجہ سے جب ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ بطور استہزاء کہنے لگتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب ابھی بلا لو یا یہ کہ پھر یہ عذاب جلد کیوں نہیں آجاتا، جیسے نضر بن حارث نے کہا تھا "یا اللہ اگر یہ بات سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے"۔

پہلی آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں، یہ عذاب موعود فوراً اس وقت بھی نازل فرما سکتے ہیں مگر وہ اپنی حکمت بالغہ اور لطف و کرم سے ایسا نہیں کرتے یہ نادان جو اپنے حق میں بد دعا کرتے اور مصیبت طلب کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کی بددعا کو بھی اسی طرح جلد قبول فرما لیا کرتے جس طرح ان کی اچھی دعا کو اکثر کر لیتے ہیں تو یہ سب





ہلاک ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعائے خیر اور اچھی دعا کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں اور کبھی کسی حکمت و مصلحت سے قبول نہ ہونا اس کے منافی نہیں، مگر جو انسان کبھی اپنی نادانی سے اور کبھی کسی غصہ اور رنج سے اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال کے لئے بد دعا کر بیٹھتا ہے یا انکارِ آخرت کی بنا پر عذاب کو کھیل سمجھ کر اپنے لئے دعوت دیتا ہے اُس کو فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ مہلت دیتے ہیں تاکہ منکر کو غور و فکر کر کے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقتی رنج و غصہ یا دل تنگی کے سبب بد دعا کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے بُرے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آجائے۔

امام ابن جریر طبری نے بروایتِ قتادہؒ اور بخاریؒ و مسلمؒ نے بروایتِ مجاہدؒ نقل کیا ہے کہ اس جگہ بد دعا سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بد دعا کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ایسی دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے، امام قرطبیؒ نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بد دعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرماویں، اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج و غصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی زبان سے جو بات نکلے وہ فوراً قبول ہو جاتی ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد اور مال کے لئے کبھی بد دُعاء نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیتِ دُعاء کا ہو، اور یہ بد دعا فوراً قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے) صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابرؓ کی روایت سے غزوۂ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ کا اصل خطاب اگرچہ منکرینِ آخرت اور ان کے فوری مطالبہ عذاب سے متعلق ہے لیکن اس کے عموم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج و غصہ کی وجہ سے اپنے یا اپنے مال و اولاد کے لئے بد دعا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت اُس کے فضل و کرم کی وجہ سے دونوں کے ساتھ یہی ہے کہ ایسی بد دعاؤں کو فوراً نافذ نہیں فرماتے، تاکہ انسان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ مل جائے۔

دوسری آیت میں منکرین توحید و آخرت کو ایک دوسرے بلیغ انداز سے قائل کیا گیا ہے وہ یہ کہ لوگ عام حالات راحت و اطمینان میں خدا و آخرت کے خلاف حجت بازی کرتے اور غیروں کو خدا تعالیٰ کا شریک قرار دیتے اور ان سے حاجت روائی کی امیدیں باندھے رکھتے ہیں، لیکن جب کوئی بڑی مصیبت آپڑتی ہے اس وقت یہ لوگ خود بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی ساری امیدگاہوں سے مایوس ہو کر صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں، اور لیٹے بیٹھے کھڑے غرض ہر حال میں اسی کو پکارنے پر مجبور ہوتے ہیں، مگر اس کے ساتھ احسان فراموشی کا یہ عالم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ سے ایسے آزاد و بے فکر ہو جاتے ہیں کہ گویا کبھی اس کو پکارا ہی نہ تھا اور اس سے کوئی حاجت مانگی ہی نہ تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاجت روائی میں کسی دوسرے کو شریک کرنے والے خود بھی اپنے اس عقیدہ کا بطلان مشاہدہ کر لیتے ہیں، مگر پھر عناد و ضد کی وجہ سے اسی باطل عقیدہ پر جمے رہتے ہیں۔

تیسری آیت میں اسی دوسری آیت کے مضمون کی مزید توضیح اور تاکید اس طرح کی گئی ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے سے یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں عذاب آ ہی نہیں سکتا، پچھلی قوموں کی تاریخ اور ان کی سرکشی و نافرمانی کی سزا میں مختلف قسم کے عذاب اسی دنیا میں آچکے ہیں، اس امت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی وجہ سے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ عذاب عام نہ آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کے اسی لطف و کرم نے ان لوگوں کو ایسا بے باک کر دیا ہے کہ وہ بڑی جرأت سے عذاب الٰہی کو دعوت دینے اور اس کا مطالبہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ عذاب الٰہی سے بے فکری ان کے لئے بھی کسی حال میں روا نہیں، کیونکہ پوری امت اور پوری دنیا پر عذاب عام نہ بھیجنے کا وعدہ ضرور ہے مگر خاص خاص افراد اور قوموں پر عذاب آجانا اب بھی ممکن ہے۔

چوتھی آیت میں فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ، یعنی پھر پچھلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تمہیں ان کا قائم مقام بنایا اور زمین کی خلافت تمہارے حوالہ کر دی مگر یہ نہ سمجھو کہ یہ زمین کی خلافت تمہارے عیش و آرام کے لئے تمہیں سپرد کی گئی ہے بلکہ اس اعزاز و اکرام کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو، پچھلی تاریخ امم سے متاثر ہو کر اپنے حالات کی اصلاح کرتے ہو یا حکومت و دولت کے نشہ میں سرشار ہو جاتے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حکومت و اقتدار کوئی فخر و ناز کی چیز نہیں بلکہ ایک بھاری





بوجھ ہے جس کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔

پانچویں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں چار آیتوں میں منکرین آخرت کے ایک غلط خیال اور بے جا فرمائش کی تردید ہے، ان لوگوں کو نہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل تھی اور نہ وحی و رسالت کے سلسلہ سے واقف تھے، انبیاء علیہم السلام کو بھی عام انسانوں کی طرح جانتے تھے، قرآن کریم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو پہنچا اس کے متعلق بھی ان کا یہ خیال تھا کہ یہ خود آپ کا کلام اور آپ کی تصنیف ہے، اسی خیال کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ یہ قرآن تو ہمارے اعتقادات و نظریات کے خلاف ہے، جن بتوں کی ہمارے باپ دادا ہمیشہ تعظیم کرتے آئے اور ان کو حاجت روا مانتے آئے ہیں قرآن ان سب کو باطل اور لغو قرار دیتا ہے، بہت سی چیزیں اور معاملات جو ہم برابر استعمال کرتے آئے ہیں قرآن ان سب کو حرام قرار دیتا ہے، اور پھر قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب دینا ہوگا، یہ سب چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، ہم ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں، اس لئے آپ یا تو ایسا کریں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی دوسرا قرآن بنا دیں جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم از کم اسی میں ترمیم کر کے ان چیزوں کو نکال دیں۔

قرآن کریم نے اول ان کے غلط اعتقاد کو رد کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ نہ میرا کلام ہے، نہ اپنی طرف سے اس کو بدل سکتا ہوں میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں، اگر میں ذرا بھی اس میں اپنے اختیار سے کوئی تبدیلی کروں تو سخت گناہ کا مرتکب ہوں گا اور نافرمانی کرنے والوں پر جو عذاب مقرر ہے میں اس سے ڈرتا ہوں اس لئے ایسا نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں فرمان خداوندی کے تابع کرتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ تمہیں یہ کلام نہ سنایا جائے تو نہ میں تمہیں سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے باخبر کرتے، اور جب اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ تمہیں یہی کلام سنوایا جائے تو کس کی مجال ہے جو اس میں کوئی کمی بیشی کر سکے۔

اس کے بعد قرآن کے من جانب اللہ اور کلام الٰہی ہونے کو ایک واضح دلیل سے سمجھایا، فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ، یعنی تم ذرا یہ بھی تو سوچو کہ نزول قرآن سے پہلے میں نے تمہارے سامنے چالیس سال کی طویل مدت گزاری ہے، اس مدت میں تم نے کبھی مجھے شعر و سخن یا کوئی مقالہ لکھتے ہوئے نہیں سنا، اگر میں اپنی طرف سے ایسا کلام کہہ سکتا تو کچھ نہ کچھ اس چالیس سال کے عرصہ میں بھی کہا ہوتا، اس کے علاوہ اس چالیس سالہ طویل زندگی میں تم میرے

چال چلن میں صدق و دیانت کا تجربہ کر چکے ہو کہ عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا تو آج چالیس سال کے بعد آخر جھوٹ بولنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، اس سے بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین ہیں، قرآن میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اُسی کی طرف سے آیا ہوا ہے۔

**اہم فائدہ** قرآن کریم کی اس دلیل نے صرف قرآن کے کلام حق ہونے پر ہی مکمل ثبوت پیش نہیں کیا بلکہ عام معاملات میں کھرے کھوٹے اور حق و باطل کی پہچان کا ایک اصول بھی بتا دیا کہ کسی شخص کو کوئی عہدہ یا منصب سپرد کرنا ہو تو اس کی قابلیت اور صلاحیت کو جانچنے کا بہترین اصول یہ ہے کہ اس کی پچھلی زندگی کا جائزہ لیا جائے، اگر اس میں صدق و امانت داری موجود ہے تو آئندہ بھی اس کی توقع کی جا سکتی ہے، اور اگر پچھلی زندگی میں اس کی دیانت و امانت اور صدق و سچائی کی شہادت موجود نہیں تو آئندہ کے لئے محض اس کے کہنے اور دعوے کی وجہ سے اس پر اعتماد کرنا کوئی دانشمندی نہیں، آج عہدوں کی تقسیم اور ذمہ داریوں کی سپردگی میں جس قدر غلطیاں اور ان کی وجہ سے عظیم مفاسد پیدا ہو رہے ہیں ان سب کی اصلی وجہ اسی اصولِ فطرت کو چھوڑ کر رسمی چیزوں کے پیچھے پڑ جانا ہے۔

آٹھویں آیت میں اسی مضمون کی مزید تاکید وارد ہوئی ہے جس میں کسی کلام کو غلط طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا عذاب شدید مذکور ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ

اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو اور نہ نفع اور

يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ

کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس، تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو

يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ

شریک کرتے ہیں، اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی امت ہیں پیچھے جدا جدا ہو گئے،

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ

اور اگر نہ ایک بات پہلے ہو چکی تیرے رب کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں جس بات میں کہ





يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ

اختلاف کر رہے ہیں، اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

سو تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے، سو منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

ع ۲

## خلاصۂ تفسیر

اور یہ لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو (عبادت نہ کرنے کی صورت میں) نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ (عبادت کرنے کی صورت میں) ان کو نفع پہنچا سکیں اور (اپنی طرف سے بلا دلیل ایک نفع تراش کر) کہتے ہیں کہ یہ (معبود) اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں (اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز بتلاتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں (یعنی جو چیز اللہ کے علم میں نہ ہو اس کا وجود اور وقوع محال ہے تو تم ایک محال چیز کے پیچھے لگے ہو) اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے اور (پہلے) تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے (یعنی سب موحد تھے، کیونکہ آدم علیہ السلام عقیدۂ توحید لے کر آئے، ان کی اولاد بھی ایک زمانے تک انہیں کے عقیدہ اور طریقے پر رہی) پھر (اپنی کجرائی سے) انہوں نے (یعنی بعض نے) اختلاف پیدا کر لیا (یعنی توحید سے پھر گئے، مشرک ہو گئے اور یہ مشرک لوگ ایسے مستحق عذاب ہیں کہ) اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے (کہ پورا عذاب ان کو ابھی نہیں بلکہ آخرت میں دیا جائے گا) تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ (براہِ عناد سینکڑوں معجزات ظاہر ہو جانے کے باوجود خصوصاً معجزۂ قرآن دیکھنے اور اس کی مثال سے عاجز ہونے کے باوجود) یوں کہتے ہیں کہ ان پر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے فرمائشی معجزات میں سے) کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا؟ تو آپ فرما دیجئے کہ (معجزہ کا اصل مقصد رسول کے صدق و حقانیت کو ثابت کرنا ہے، وہ تو بہت سے معجزات کے ذریعہ ہو چکا ہے، اب فرمائشی معجزات کی ضرورت تو ہے نہیں، ہاں امکان ہے کہ ظاہر ہوں یا نہ ہوں اس کا تعلق علمِ غیب سے ہے اور) غیب کا علم صرف خدا کو ہے (مجھ کو نہیں) اس لئے تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (کہ تمہاری ہر فرمائش پوری ہوتی ہے یا نہیں، اور فرمائشی معجزات کے ظاہر نہ کرنے کی حکمت قرآن کریم میں کئی جگہ بتلا دی گئی ہے کہ ان کے ظہور کے بعد عادۃ اللہ یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائیں تو ساری قوم ہلاک کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس امت کے لئے ایسا عذاب

عام منظور نہیں بلکہ اس کو تاقیامت باقی رکھنا مقدر ہو چکا ہے)

## معارف ومسائل

کافر و مسلم دو قومیں الگ الگ ہیں نسلی اور وطنی قومیت لغو ہے

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ، یعنی تمام اولادِ آدم شروع میں ایک ہی امت ایک ہی قوم موحدین کی تھی، شرک و کفر کا نام نہیں تھا، پھر توحید میں اختلاف پیدا کر کے مختلف قومیں مختلف گروہ بن گئے۔

یہ زمانہ امتِ واحدہ اور سب کے مسلمان ہونے کا کتنا تھا اور کب تک رہا؟ روایاتِ حدیث و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک یہی صورت تھی، نوح علیہ السلام کے زمانے میں شرک و کفر ظاہر ہوا، حضرت نوح علیہ السلام کو اس کا مقابلہ کرنا پڑا (تفسیر مظہری)

یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک ایک طویل زمانہ ہے دنیا میں انسانوں کی نسلیں اور آبادی کافی پھیل چکی تھی، ان تمام انسانوں میں رنگ و روپ اور طرز معاشرت کا اختلاف ہونا بھی ایک طبعی امر ہے اور مختلف خطوں میں پھیل جانے کے بعد وطن کا اختلاف بھی یقینی ہے اور ممکن ہے کہ بول چال میں زبانیں بھی کچھ مختلف ہو گئی ہوں، مگر قرآن کریم نے اس نسبی، قبائلی، لونی، وطنی اختلاف کو جو امورِ فطریہ ہیں، وحدتِ امت میں خلل انداز قرار نہیں دیا، اور ان اختلافات کی وجہ سے اولادِ آدمؑ کو مختلف قومیں مختلف امتیں نہیں بلکہ امتِ واحدہ قرار دیا۔

ہاں جب ایمان کے خلاف کفر و شرک پھیلا تو کافر و مشرک کو الگ قوم الگ ملت قرار دے کر فَاخْتَلَفُوْا ارشاد فرمایا، قرآن کریم کی آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ نے اس مضمون کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا کہ اللہ کی مخلوق اولادِ آدم کو مختلف قوموں میں بانٹنے والی چیز صرف ایمان و اسلام سے انحراف ہے، نسبی و وطنی رشتوں سے قومیں الگ الگ نہیں ہوتیں، زبان اور وطن یا رنگ و نسل کی بناء پر انسانوں کو مختلف گروہ قرار دینے کی جہالت یہ نئی حماقت ہے جو نئی روشنی نے پیدا کی ہے اور آج کے بہت سے لکھے پڑھے اس نیشنلزم کے پیچھے لگ گئے جو ہزاروں فتنے اور فساد اپنے دامن میں رکھتا ہے، اَعَاذَ اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْهُ

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ

اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو پہنچی تھی اسی وقت بنانے لگیں حیلے





فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱

ہماری قدرتوں میں، کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے، تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلہ بازی تمہاری

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ

وہ ہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں، یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں،

وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ

اور لے کر چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا سے اور خوش ہوئے اس سے، آئی کشتیوں پر ہوا تند اور

جَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا

آئی ان پر موج ہر جگہ سے اور جان لیا انہوں نے کہ وہ گھر گئے پکارنے لگے

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اللہ کو خالص ہو کر اس کی بندگی میں، اگر تو نے بچا لیا ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں گے

الشّٰكِرِيْنَ ۝۲۲ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

شکر گزار، پھر جب بچا دیا ان کو اللہ نے لگے شرارت کرنے اسی وقت زمین میں ناحق

الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ

کی، سنو لوگو تمہاری شرارت ہے تمہی پر، نفع اٹھا لو دنیا کی

الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۳

زندگانی کا پھر ہمارے پاس ہے تم کو لوٹ کر آنا پھر ہم بتلا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے تھے،

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

دنیا کی زندگانی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ

سبزہ زمین کا جو کہ کھائیں آدمی اور جانور، یہاں تک کہ جب پکڑی

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا ۙ

زمین نے رونق اور مزین ہو گئی اور خیال کیا زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ

ناگاہ پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ تھی آبادی،

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴

اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں۔

## خلاصۂ تفسیر

**حل لغات** عَاصِفٌ سخت تیز ہوا، حَصِيدًا کٹی ہوئی کھیتی، كَأَن لَّمْ تَغْنَ یہ غِنیٰ بالمکان سے مشتق ہے جس کے معنیٰ کسی جگہ قیام کرنے کے ہیں،

اور جب ہم لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں (یعنی ان سے اعراض کرتے ہیں اور ان کے ساتھ تکذیب و استہزاء سے پیش آتے ہیں اور براہِ اعتراض و عناد دوسرے معجزات کی فرمائشیں کرتے ہیں اور مصیبت گزشتہ سے عبرت نہیں پکڑتے پس معلوم ہوا کہ ان کے اعتراض کا اصل سبب اللہ کی نازل کردہ آیات و معجزات سے اعراض ہے اور یہ اعراض دنیا کی نعمتوں میں مست ہو جانے سے پیدا ہوا ہے، آگے وعید ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا، بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں (پس علاوہ علم الٰہی میں محفوظ ہونے کے دفتر میں بھی محفوظ ہیں) وہ (اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے (یعنی جن آلات و اسباب سے تم چلتے پھرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں)، یہاں تک کہ (بعض اوقات) جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو، اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اُن (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (اسی حالت میں دفعۃً) ان پر ایک جھونکا مخالف ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان (لوگوں) پر موجیں اٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بری طرح) گھر گئے، (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ اے اللہ، اگر آپ ہم کو اس (مصیبت) سے بچا لیں تو ہم ضرور حق شناس (یعنی موحد) بن جاویں (یعنی اس وقت جیسا اعتقاد توحید کا ہو گیا ہے اس پر قائم رہیں) پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو (اس مہلکہ سے) بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین (کے مختلف خطوں) میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں (یعنی وہی شرک و معصیت) اے لوگو (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال (جان) ہونے والی ہے (بس) دنیوی زندگی میں (چندے اس سے) فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے (اور اس کی سزا دیں گے) بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس (پانی) سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی (یعنی سبزہ سے خوشنما معلوم ہونے لگی) اور اس (زمین) کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس





(کے نباتات پھلوں) پر بالکل قابض ہو چکے تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آ پڑا (جیسے پالا یا خشکی یا اور کچھ) سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل (یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی (پس اسی نباتات کے مثل دنیوی زندگی ہے) ہم اس طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے جو سوچتے ہیں۔

## معارف و مسائل

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا، عربی لغت کے اعتبار سے لفظ مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو اچھی بھی ہو سکتی ہے بُری بھی، اردو زبان کے محاورہ سے دھوکہ نہ کھائیں کہ لفظ مکر اردو میں دھوکہ فریب کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے حق تعالیٰ بری ہے۔

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ یعنی تمہارے ظلم کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑ رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ظلم کا وبال یقینی ہے اور آخرت سے پہلے دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی اور لوگوں پر احسان کرنے کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے (کہ آخرت سے پہلے دنیا میں اس کی برکات نظر آنے لگتی ہیں) اور ظلم اور قطع رحمی کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے (کہ دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے) (رواہ الترمذی و ابن ماجہ بسند حسن) اور ایک حدیث میں بروایت حضرت عائشہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کا وبال اپنے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے ظلم، بدعہدی، اور دھوکہ فریب (رواہ ابو الشیخ و ابن مردویہ فی التفسیر) (از مظہری)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ

اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف، اور دکھاتا ہے جس کو چاہے راستہ

مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

سیدھا، جنہوں نے کی بھلائی ان کے لئے ہے بھلائی اور زیادتی، اور نہ چڑھے گی ان کے منہ پر

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

سیاہی اور نہ رسوائی، وہ ہیں جنت والے، وہ اسی میں رہا کریں گے،

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ

اور جنہوں نے کمائیں برائیاں بدلہ برائی کا اس کے برابر اور ڈھانک لیگی انکو رسوائی

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا

کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا، گویا کہ ڈھانک دیئے گئے ان کے چہرے

مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷

اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ، وہ ہیں دوزخ والے ، وہ اسی میں رہا کریں گے

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم

وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا

اور تمہارے شریک ، پھر جدا جدا کریں گے ہم آپس میں ان کو اور کہیں گے ان کے شریک تم ہماری تو

تَعْبُدُوْنَ ۝۲۸ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ

بندگی نہ کرتے تھے ، سو اللہ کافی ہے شاہد ہمارے اور تمہارے بیچ میں ، ہم کو

عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝۲۹ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ

تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی ، وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو اس نے پہلے کیا تھا اور

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۳۰

رجوع کریں گے اللہ کی طرف جو سچا مالک ہے ان کا اور جاتا رہے گا ان کے پاس سے جو جھوٹ بنا بنا کر تے تھے

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ

تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے کان

وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ

اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ

الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱

سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی سو بول اٹھیں گے کہ اللہ تو تو کہہ پھر ڈرتے نہیں ہو

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ

سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر بھٹکنا

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲

سو کہاں سے لوٹے جاتے ہو۔

## خلاصۂ تفسیر

اور اللہ تعالیٰ دار البقاء کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے (جس سے دار البقاء تک رسائی ہو سکتی ہے، آگے جزا و سزا کا بیان ہے کہ





جن لوگوں نے نیکی کی ہے (یعنی ایمان لائے ہیں) ان کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے اور مزید براں (خدا کا دیدار) بھی اور ان کے چہروں پر نہ کدورت (غم کی) چھاوے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور جن لوگوں نے بد کام کئے (یعنی کفر و شرک کیا) ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی (بدی سے زیادہ نہ ہوگی) اور ان کو ذلت چھالے گی، ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا (ان کی کدورت چہرہ کی ایسی حالت ہوگی کہ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت (یعنی ٹکڑے) لپیٹ دیئے گئے ہیں، یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ دن بھی قابلِ ذکر ہے جس روز ہم ان سب (خلائق) کو (میدانِ قیامت میں) جمع کریں گے پھر (منجملہ ان تمام خلائق کے) مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شریک (جن کو تم عبادت میں خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ذرا) اپنی جگہ ٹھہرو (تاکہ تم کو حقیقت تمہارے عقیدہ کی معلوم کرائی جاوے) پھر ہم ان (عابدین و معبودین) کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے وہ شرکاء (ان سے خطاب کر کے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (کیونکہ عبادت سے مقصود ہوتا ہے معبود کا راضی کرنا) سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی (اور راضی ہونا تو درکنار البتہ شیاطین کی تعلیم تھی اور وہی راضی تھے، پس اس اعتبار سے ان کی پرستش کرتے تھے) اس مقام پر ہر شخص اپنے کئے ہوئے کا امتحان کرلے گا کہ آیا واقع میں یہ اعمال نافع تھے یا غیر نافع، چنانچہ ان مشرکین کو بھی حقیقت کھل جاوے گی کہ جن کی شفاعت کے بھروسے ہم ان کو پوجتے تھے انہوں نے اور ہمارے خلاف شہادت دی، نفع کی تو کیا امید کی جاوے، اور یہ لوگ اللہ (کے عذاب) کی طرف جو ان کا مالکِ حقیقی ہے لوٹائے جاویں گے، اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب (اور گم) ہو جاویں گے (کوئی بھی تو کام نہ آوے گا) آپ (ان مشرکین سے) کہئے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے (یعنی آسمان سے بارش کرتا ہے اور زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے جس سے تمہارا رزق تیار ہوتا ہے) یا (یہ بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے (کہ پیدا بھی اسی نے کیا، حفاظت بھی وہی کرتا ہے، اور اگر چاہتا ہے تو ان کو ماؤف کر دیتا ہے) اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے اور بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالتا ہے (جیسے نطفہ اور بیضہ کہ وہ جاندار سے نکلتا ہے اور اس سے جاندار پیدا ہوتا ہے) اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے سوالات کیجئے) سو ضرور وہ (جواب میں) یہی کہیں گے کہ (ان سب

افعال کا فاعل، اللہ (ہے) تو ان سے کہئے کہ پھر (شرک سے) کیوں نہیں پرہیز کرتے سو (جس کے یہ افعال واوصاف مذکور ہوئے) یہ ہے اللہ جو تمہارا رب حقیقی ہے (اور جب امرِ حق ثابت ہوگیا) پھر (امر) حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے (یعنی جو امرِ حق کی ضد ہوگی وہ گمراہی ہے اور توحید کا حق ہونا ثابت ہوگیا، پس شرک یقیناً گمراہی ہے) پھر (حق کو چھوڑ کر) کہاں (باطل کی طرف) پھرے جاتے ہو۔

## مَعارِف و مَسائِل

پچھلی آیت میں دنیاوی زندگی اور اس کی ناپائیداری کی مثال اس کھیتی سے دی گئی تھی جو آسمانی پانی سے سیراب ہو کر لہلہانے لگی اور ہر طرح کے پھل پھول نکل آئے اور کھیتی والے خوش ہونے لگے کہ اب ہماری ساری ضرورتیں اس سے پوری ہوں گی، مگر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے رات یا دن میں ہمارے عذاب کا کوئی حادثہ آپڑا جس نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا یہاں کوئی چیز موجود ہی نہ تھی، یہ تو دنیا کی زندگی کا حال تھا، اس کے بعد آیتِ مذکورہ میں اس کے بالمقابل دارِ آخرت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد فرمایا وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ، یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو دارالسلام کی طرف دعوت دیتا ہے یعنی ایسے گھر کی طرف جس میں ہر طرح کی سلامتی ہی سلامتی ہے نہ اس میں کسی طرح کی کوئی تکلیف ہے نہ رنج و غم، نہ بیماری کا خطرہ، نہ فنا ہونے یا حالت بدل جانے کی فکر۔

دارالسلام سے مراد جنت ہے، اس کو دارالسلام کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی اور امن و سکون ہر شخص کو حاصل ہوگا، دوسری وجہ بعض روایات میں ہے کہ جنت کا نام دارالسلام اس لئے بھی رکھا گیا ہے کہ اس میں بسنے والوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا، بلکہ لفظ سلام ہی اہلِ جنت کی اصطلاح ہوگی، جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہشات کا اظہار کریں گے اور فرشتے ان کو مہیا کریں گے، جیسا کہ اس سے پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بطور نصیحت عوام کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے آدم کے بیٹے! تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دارالسلام کی طرف بلایا، تو اس دعوتِ الٰہیہ کی طرف کب اور کہاں سے قدم اٹھائے گا، خوب سمجھ لے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے اگر تو نے دنیا ہی سے کوشش شروع کر دی تو وہ کامیاب ہوگی اور تو دارالسلام میں پہنچ جائے گا اور اگر تو نے اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد یہ چاہا کہ قبر میں پہنچ کر اس دعوت کی طرف چلوں گا







تو تیرا راستہ روک دیا جائے گا، تو وہاں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے گا، کیونکہ وہ دارالعمل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ دارالسلام جنت کے سات ناموں میں سے ایک نام ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی گھر کا نام دارالسلام رکھنا مناسب نہیں، جیسے جنت یا فردوس وغیرہ نام رکھنا بھی درست نہیں۔

اس کے بعد آیتِ مذکورہ میں ارشاد فرمایا وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھے راستہ پر۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دارالسلام کی دعوت تو سارے انسانوں کے لئے عام ہے اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے سب کے لئے ہدایت بھی عام ہے لیکن ہدایت کی خاص قسم کہ سیدھے راستہ پر کھڑا کر دیا جائے اور چلنے کی توفیق دی جائے یہ خاص خاص ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

مذکورہ دو آیتوں میں دارِ دنیا اور دارِ آخرت کا تقابل اور اہل دنیا اور اہل آخرت کے احوال کا ذکر تھا، اگلی چار آیتوں میں دونوں فریق کی جزا، وسزاء کا بیان ہے، پہلے اہل جنت کا ذکر اس طرح فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے نیکی اختیار کی یعنی سب سے بڑی نیکی ایمان اور پھر عملِ صالح پر قائم رہے ان کو ان کے عمل کا عمدہ اور بہتر بدلہ ملے گا، اور صرف بدلہ ہی نہیں بلکہ بدلہ سے کچھ زیادہ بھی۔

اس آیت کی تفسیر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی وہ یہ ہے کہ اس جگہ اچھے بدلہ سے مراد جنت ہے، اور زِيَادَةٌ سے مراد حق تعالیٰ سبحانہ کی زیارت ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی۔ (تفسیر قرطبی بروایت انسؓ)

جنت کی اتنی حقیقت سے تو ہر مسلمان واقف ہے کہ وہ ایسی راحتوں اور نعمتوں کا مرکز ہے جن کو انسان اس وقت تصور میں نہیں لاسکتا، اور حق تعالیٰ کی زیارت ان سب نعمتوں پر فائق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیبؓ کی روایت سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو چکیں گے تو حق تعالیٰ ان سے خطاب فرمائیں گے کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ہو تو بتلاؤ ہم اس کو پورا کریں گے، اہلِ جنت جواب دیں گے کہ آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے، ہمیں جنت میں داخل فرمایا، جہنم سے نجات دی، اس سے زیادہ اور کیا چیز طلب کریں، اس وقت درمیان سے حجاب اٹھا دیا جائے گا اور

سب اہل جنت حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت تھی جس کی طرف ان کا دھیان بھی نہ گیا تھا، جو رب العالمین نے محض اپنے کرم سے بے مانگے عطا فرمائی، بقول مولانا رومیؒ ؎

مانبودیم و تقاضہ ما نبود　　لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اور پھر انہیں اہل جنت کا یہ حال بیان فرمایا کہ نہ ان کے چہروں پر کبھی کدورت یا تکلیف وغم کا اثر چھائے گا اور نہ ذلت کا اثر ہوگا جو دنیا میں ہر شخص کو کبھی نہ کبھی پیش آیا کرتا ہے اور آخرت میں اہل جہنم کو پیش آئے گا۔

اس کے بالمقابل اہل جہنم کا یہ حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے برے عمل کئے ان کو برائی کا بدلہ برابر سرابر ملیگا اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی، ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی، کوئی شخص ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا، ان کے چہروں کی سیاہی کا یہ حال ہوگا کہ گویا اندھیری رات کے پرت کے پرت ان پر لپیٹ دیئے گئے ہیں۔

اس کے بعد کی دو آیتوں میں ایک مکالمہ مذکور ہے جو اہل جہنم میں اور ان کو گمراہ کرنے والے بتوں یا شیطانوں کے درمیان محشر میں ہوگا، ارشاد فرمایا کہ اس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے تجویز کئے ہوئے معبود ذرا اپنی جگہ ٹھہرو تاکہ تمہیں اپنے عقیدہ کی حقیقت معلوم ہوجائے، اس کے بعد ان لوگوں میں اور ان کے معبودوں میں جو رشتۂ اتحاد دنیا میں پایا جاتا تھا اس کو قطع کردیا جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے بت خود بول اٹھیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے، اور خدا کو گواہ بنا کر کہیں گے کہ ہم کو تمہاری مشرکانہ عبادت کی کچھ خبر بھی نہ تھی، کیونکہ نہ ہم میں حس وحرکت ہے اور نہ ان مسائل کو سمجھنے کے قابل عقل وشعور ہے۔

چھٹی آیت میں دونوں فریق اہل جنت اور اہل جہنم کا ایک مشترک حال بیان فرمایا ہے کہ اس مقام یعنی محشر میں ہر شخص اپنے اپنے کئے ہوئے اعمال کو آزمالے گا کہ وہ نفع بخش تھے یا نقصان رساں، اور سب کے سب اپنے معبودِ حق کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے، اور سارے بھروسے اور سہارے جو دنیا میں انسان ڈھونڈتا ہے ختم کردیئے جائیں گے، اور مشرکین جن بتوں کو اپنا مددگار اور سفارشی سمجھا کرتے تھے وہ سب غائب ہوجائیں گے۔

ساتویں اور آٹھویں آیت میں قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ اور مربیانہ طریق پر مشرکین کی آنکھیں کھولنے کے لئے ان سے کچھ سوالات قائم کئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہئے کہ آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ یا کان





اور آنکھوں کا کون مالک ہے کہ جب چاہے ان میں شنوائی اور بینائی پیدا کردے اور جب چاہے سلب کرلے، اور کون ہے جو مردہ چیزوں سے زندہ کو پیدا کردیتا ہے جیسے مٹی سے گھاس اور درخت، یا نطفہ سے انسان اور جانور یا بیضہ سے پرندہ، اور زندہ میں سے مردہ کو پیدا کردیتا ہے، جیسے انسان اور جانور سے نطفہ بے جان، اور کون ہے جو تمام کائنات کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟

پھر فرمایا کہ جب آپ ان لوگوں سے یہ سوال کریں گے تو سب کے سب یہی کہیں گے کہ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے! تو آپ ان سے فرمادیں کہ پھر تم کیوں خدا سے نہیں ڈرتے؟ جب ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور باقی رکھنے والا اور ان سب کے کام میں لگانے کا انتظام کرنے والا صرف ایک اللہ ہی ہے تو پھر عبادت واطاعت کا حق دار اس کے سوا کسی کو کیوں بناتے ہو۔

آخری آیت میں فرمایا فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ یعنی یہی ہے وہ ذات جس کی صفاتِ کمال کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کا معبودِ برحق ہونا ثابت ہوگیا تو پھر اس حق کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف رخ پھیرنا کس قدر نامعقول بات ہے۔

اس آیت کے مسائل وفوائد میں سے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آیت میں مَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حق اور ضلال کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جو حق نہیں ہوگا وہ ضلال وگمراہی میں داخل ہوگا، ایسا کوئی کام نہیں ہوسکتا جو نہ حق ہو نہ گمراہی اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ دو متضاد چیزیں حق ہوں، تمام اصولِ عقائد میں یہ قاعدہ جمہور امت کے نزدیک مُسَلَّم ہے، البتہ جزئی مسائل اور جزئیاتِ فقہیہ میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اجتہادی مسائل میں دونوں جانبوں کو حق کہا جائے گا اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ اجتہادی مسائل میں جانبِ خلاف کو ضلال وگمراہی نہیں کہہ سکتے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ

اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان نافرمانوں پر کہ یہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ

ایمان نہ لائیں گے، پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پیدا کرے خلق کو

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى

پھر دوبارہ زندہ کرے، تو کہہ اللہ پہلے پیدا کرتا ہے پھر اس کو دہرائے گا سو کہاں سے

تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ

پلٹے جاتے ہو ، پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو راہ بتلائے سچی

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

تو کہہ اللہ راہ بتلاتا ہے سچی ، تو اب جو کوئی راہ بتلائے سچی اس کی بات ماننی چاہیے

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

یا اس کی جو آپ نہ پائے راہ مگر جب کوئی اور اس کو راہ بتلائے ، سو کیا ہو گیا تم کو ، کیسا انصاف کرتے ہو ،

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ

اور وہ اکثر چلتے ہیں محض اٹکل پر ، سو اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ۔

## خلاصۂ تفسیر

**حلِ لغت** لَا يَهِدِّيْ، یہ لفظ دراصل لَا يَهْتَدِيْ تھا، تسہیل کر کے لَا يَهِدِّيْ بن گیا، معنی لَا يَهْتَدِيْ کے ظاہر ہیں، یعنی وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا۔

(آگے تسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ان لوگوں کی باطل پرستی پر مغموم ہوا کرتے تھے، ارشاد ہے کہ جس طرح یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ یہ ایمان نہ لاویں گے تمام متمرد (سرکش) لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے (پھر آپ کیوں مغموم ہوں اور) آپ (ان سے) یوں بھی کہئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں (خاص اس کے کہ ذوی العقول ہوں جیسے شیاطین یا غیر ذوی العقول جیسے بت) کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی (مخلوق کو) پیدا کرے پھر (قیامت میں) دوبارہ بھی پیدا کرے (اگر وہ اس وجہ سے کہ اس میں توہین ہے شرکاء کی، جواب میں تامل کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا سو (اس کی تحقیق کے بعد بھی) پھر تم کہاں (حق سے) پھرے جاتے ہو (اور) آپ (ان سے یوں بھی) کہئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے ذوی العقول) شرکاء میں (جیسے شیاطین) کوئی ایسا ہے کہ امرِ حق کا راستہ بتلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امرِ حق کا راستہ (بھی) بتلاتا ہے (چنانچہ اس نے عقل دی، انبیاء بھیجے بخلاف شیاطین کے کہ اوّلاً وہ ان افعال پر قادر نہیں اور محض تعلیم جس کی قدرت ان کو دی گئی ہے وہ اس کو اضلال و اغواء میں صرف کرتے ہیں) تو پھر (ان سے کہئے کہ یہ بتلاؤ کہ) آیا جو شخص امرِ حق کا راستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بے بتلائے خود ہی راستہ نہ





سوجھے (اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ سمجھانے پر بھی اس پر نہ چلے جیسے شیاطین، پھر جب یہ اتباع کے قابل نہ ہوں تو عبادت کے لائق تو کب ہو سکتے ہیں) تو (اے مشرکین) تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو (کہ توحید کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کرتے ہو) اور (تماشہ یہ ہے کہ اپنی اس تجویز اور عقیدہ پر یہ لوگ کوئی دلیل نہیں رکھتے بلکہ) ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (اور) یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں (خیر یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے (وقت پر سزا دے گا)۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنالے اللہ کے سوا اور لیکن تصدیق کرتا ہے

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اگلے کلام کی اور بیان کرتا ہے ان چیزوں کو جو تم پر لکھی گئیں جس میں کوئی شبہ نہیں پروردگار عالم کی طرف سے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

کیا لوگ کہتے ہیں کہ بنا لایا ہے ، تو کہہ دے تم لے آؤ ایک ہی سورت ایسی اور بلا لو جس کو بلا سکو

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا

اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ، بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر

بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

انہوں نے قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت ، اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ

سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا ، اور بعضے ان میں یقین کریں گے قرآن کا اور

مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾

بعضے یقین نہ کریں گے ، اور تیرا رب خوب جانتا ہے شرارت والوں کو ۔

## خلاصۂ تفسیر

اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل (نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ (الٰہیہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی بات شک (و شبہ) کی نہیں (اور وہ) ربّ العالمین کی طرف سے

(نازل ہوا) ہے، کیا (باوجود اس کے افتراء نہ ہونے کے) یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ نے اس کو افتراء کرلیا ہے، آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (اچھا) تو پھر تم (بھی تو عربی ہو اور اعلیٰ درجہ کے فصیح بلیغ بھی ہو) اس کی مثل ایک ہی سورت (بنا) لاؤ اور (اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو بلاسکو ان کو (مدد کے لئے) بلالو اگر تم سچے ہو کہ (نعوذ باللہ میں نے تصنیف کرلیا ہے تو تم بھی تصنیف کرلاؤ، مگر مشکل تو یہ ہے کہ اس قسم کے دلائل سے فائدہ اسی کو ہوتا ہے جو سمجھنا بھی چاہے سو انہوں نے تو کبھی سمجھنا ہی نہ چاہا) بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس (کے صحیح غلط ہونے) کو اپنے احاطۂ علم میں نہیں لائے (اور اس کی حالت سمجھنے کا ارادہ نہیں کیا تو ایسوں سے کیا سمجھنے کی امید ہوسکتی ہے) اور (ان کی اس بے فکری اور بے پرواہی کی وجہ یہ ہے کہ) ہنوز ان کو اس (قرآن کی تکذیب) کا اخیر نتیجہ نہیں ملا (یعنی عذاب نہیں آیا ورنہ سارا نشہ ہرن ہوجاتا اور آنکھیں کھل جاتیں اور حق و باطل متمیز ہوجاتا لیکن آخر کبھی تو وہ نتیجہ پیش آنے والا ہے ہی، گو اُس وقت ایمان نافع نہ ہو، چنانچہ) جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح (جیسے بے تحقیق یہ جھٹلا رہے ہیں)، انہوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا، سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا (برا) ہوا، (اسی طرح ان کا ہوگا) اور (ہم جو ان کا انجام بد بتلا رہے ہیں سو سب مراد نہیں کیونکہ) ان میں سے بعضے ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آویں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لادیں گے اور آپ کا رب (ان) مفسدوں کو خوب جانتا ہے (جو ایمان نہ لادیں گے پس تمام ان کو وقتِ موعود پر سزا دے گا)۔

## معارف و مسائل

وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ، تاویل سے مراد اس جگہ مآل اور انجام ہے، مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی غفلت اور بے فکری سے قرآن میں غور نہیں کیا اور اس کی تکذیب کے انجام بد کو نہیں پہچانا، اس لئے تکذیب میں لگے ہوئے ہیں مگر موت کے بعد ہی سب حقائق کھل جاویں گے اور اپنے کئے کا مآلِ بد ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار ہوجائے گا۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ
اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لئے میرا کام اور تمہارے لئے تمہارا کام تم پر میرا ذمہ نہیں

مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ
میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو، اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں





اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ
تیری طرف، کیا تو سنائے گا بہروں کو اگرچہ ان کو سمجھ نہ ہو، اور بعضے ان میں

مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾
نگاہ کرتے ہیں تیری طرف، کیا تو راہ دکھائے گا اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾
اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں۔

## خلاصۂ تفسیر

اور اگر (ان دلائل کے بعد بھی) آپ کو جھٹلاتے رہیں تو (بس اخیر بات) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا صاحب) میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا تم میرے عمل کے جواب دہ نہیں ہو، اور میں تمہارے عمل کا جوابدہ نہیں ہوں (جس طریقہ پر چاہو رہو آپ معلوم ہوجاوے گا) اور (آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ) ان میں (گو) بعض ایسے (بھی) ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا لگا کر بیٹھتے ہیں (لیکن دل میں ارادہ ایمان اور حق طلبی کا نہیں ہے پس اس اعتبار سے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے پس ان کی حالت بہروں کی سی ہوئی تو پھر کیا آپ بہروں کو سنا (کر ان سے ماننے کا انتظار کرتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو (ہاں اگر سمجھ ہوتی تو بہرے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا) اور (اسی طرح) ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہراً) آپ کو (مع معجزات و کمالات) دیکھ رہے ہیں (لیکن طلب حق نہ ہونے سے ان کی حالت مثل اندھوں کے ہے تو) پھر کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو (ہاں اگر بصیرت ہوتی تو اندھے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا اور ان کی حقلیں جو اس طرح تباہ ہوگئیں تو) یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا (کہ ان کو قابلیت ہدایت کی نہ دے اور پھر مؤاخذہ فرماوے) لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں (کہ قابلیت موہوبہ کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس سے کام نہیں لیتے)۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ
اور جس دن ان کو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن، ایک دوسرے کو

بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾
پہچانیں گے، بیشک خسارے میں پڑے جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ راہ پر،

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور اگر ہم دکھائیں گے تجھ کو کوئی چیز ان وعدوں میں سے جو کئے ہیں ہم نے ان سے یا وفات دیں تجھ کو سو ہماری ہی طرف ہے

ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ

ان کو لوٹنا، پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو وہ کرتے ہیں، اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے، پھر جب پہنچا

رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُولُونَ

ان کے پاس رسول ان کا فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا، اور کہتے ہیں

مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا

کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو، تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے برے کا

وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا

نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ، ہر فرقہ کا ایک وعدہ ہے، جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ

يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۴۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ

پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے، تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے تم پر

عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۰﴾ أَثُمَّ

عذاب اس کا راتوں رات یا دن کو تو کیا کرلیں گے اس سے پہلے گنہگار، کیا پھر

إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ

جب عذاب واقع ہو چکے گا تب اس پر یقین کرو گے، اب قائل ہوئے اور تم اسی کا تقاضا کرتے تھے، پھر

قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا

کہیں گے گنہگاروں کو چکھتے رہو عذاب ہمیشگی کا، وہی بدلہ ملتا ہے جو کچھ

كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ

کماتے تھے، اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات، تو کہہ البتہ قسم میرے رب کی یہ

لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

سچ ہے، اور تم تھکا نہ سکو گے، اور اگر ہو ہر شخص گنہگار کے پاس

مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ

جتنا کچھ ہے زمین میں البتہ دے ڈالے اپنے بدلے میں، اور چھپے چھپے پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب،

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي

اور ان میں فیصلہ ہوگا انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا، سن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے





السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

آسمان اور زمین میں، سن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے، پر بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۶﴾

نہیں جانتے، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

## خلاصۂ تفسیر

اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ (وہ سمجھیں گے کہ) گویا وہ (دنیا یا برزخ میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے (چونکہ وہ دن مدید بھی ہوگا اور شدید بھی ہوگا، اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا) اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے (بھی لیکن ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے، اس سے اور رنج وصدمہ ہوگا، کیونکہ شناسا لوگوں سے توقع نفع کی ہوا کرتی ہے) واقعی (اس وقت سخت) خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے (اس لئے آج خسارہ میں پڑے، پس ان کے عذاب کا اصلی وقت تو یہ دن ہے، ان کو یاد دلا دیجئے) اور (دنیا میں ان پر عذاب واقع ہونا یا نہ ہونا اس کی نسبت یہ بات ہے کہ) جس (عذاب) کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھلا دیں (یعنی آپ کی حیات میں ان پر اس کا نزول ہو جاوے) یا (اس کے نزول کے قبل ہی) ہم آپ کو وفات دے دیں (پھر خواہ بعد میں نزول ہو یا نہ ہو، سو دونوں احتمال ہیں، کوئی شق ضروری نہیں لیکن ہر حال اور ہر احتمال پر) ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر (سب کو معلوم ہے کہ) اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہی ہے (پس ان پر سزا دے گا، غرض یہ کہ دنیا میں خواہ سزا ہو یا نہ ہو مگر اصلی موقع پر ضرور ہوگی) اور (یہ سزا جو ان کے لئے تجویز ہوئی ہے، تو اتمام حجت وازالۂ عذر کے بعد ہوئی ہے، اور ان کی کیا تخصیص ہے بلکہ ہمیشہ سے ہماری عادت رہی ہے کہ جن امتوں کو ہم نے مکلف بنانا چاہا ہے ان میں سے) ہر ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا (ہوا) ہے سو جب ان کا وہ رسول (ان کے پاس) آچکتا ہے (اور احکام پہنچا دیتا ہے اس کے بعد) ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے (وہ فیصلہ یہی ہے کہ نہ ماننے والوں کو عذاب ابدی میں مبتلا کیا جاتا ہے) اور ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا جاتا (کیونکہ اتمام حجت کے بعد سزا دینا خلاف انصاف نہیں ہے) اور یہ لوگ (عذاب کی وعیدیں سن کر بقصد تکذیب یوں) کہتے ہیں کہ (اے نبی اور اے

مسلمانو) یہ وعدہ (عذاب کا) کب (واقع) ہوگا، اگر تم سچے ہو تو واقع کیوں نہیں کرا دیتے) آپ (سب کی طرف سے جواب میں) فرما دیجئے کہ میں (خود) اپنی ذاتِ خاص کے لئے تو کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور کسی ضرر (کے دفع کرنے) کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا (اختیار) خدا کو منظور ہو (اتنا اختیار البتہ حاصل ہے، پس جب خاص اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کے نفع و نقصان کا تو کیونکر مالک ہوں گا، پس عذاب واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں، رہا یہ کہ کب واقع ہوگا، سو بات یہ ہے کہ) ہر امت کے (عذاب کے) لئے (اللہ کے نزدیک) ایک معین وقت ہے (خواہ دنیا میں یا آخرت میں سو) جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں (بلکہ فوراً عذاب واقع ہوجاتا ہے اسی طرح تمہارے عذاب کا بھی وقت معین ہے، اس وقت اس کا وقوع ہو جاوے گا اور وہ جو فرمائش کرتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے جلدی ہو جاوے جیسا کہ آیت مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اور رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ـــــ میں ان کی اس جلد بازی کا ذکر ہے، تو) آپ (اس کے متعلق ان سے) فرما دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر خدا کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو (آپڑے) تو (یہ تو بتلاؤ کہ) عذاب میں کون چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں (یعنی عذاب تو سخت چیز اور پناہ مانگنے کی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی اور چونکہ جلد بازی سے مقصود ان کا تکذیب ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ) کیا اب تو تکذیب کر رہے ہو جو کہ وقت ہے تصدیق کے نافع ہونے کا، پھر جب وہ (اصلی موعود) آہی پڑے گا (اس وقت) اس کی تصدیق کرو گے (جس وقت کہ تصدیق نافع نہ ہوگی اور اس وقت کہا جائے گا کہ) ہاں اب مانا حالانکہ (پہلے سے) تم (بقصدِ تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے پھر ظالموں (یعنی مشرکوں) سے کہا جاوے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو، تم کو تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے اور وہ (غایتِ تعجب وانکار سے) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی امر ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم میرے رب کی کہ وہ واقعی امر ہے، اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے (کہ وہ عذاب دینا چاہے اور تم بچ جاؤ) اور (اس عذاب کی یہ شدت ہوگی کہ) اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا (مال) ہو کہ ساری زمین میں بھر جاوے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانا چاہیں گے (اگرچہ نہ خزانہ ہوگا اور نہ لیا جاوے گا لیکن شدت اس درجہ کی ہوگی کہ مال ہونے کی تقدیر پر سب دینے پر راضی ہو جاویں گے) اور جب عذاب دیکھیں گے تو (مزید فضیحت کے خوف سے) پشیمانی کو (اپنے دل ہی دل میں) پوشیدہ رکھیں گے (یعنی اس کے آثار قولیہ و فعلیہ کو ظاہر نہ ہونے دیں گے، تاکہ دیکھنے والے زیادہ نہ ہنسیں لیکن آخر میں یہ ضبط و تحمل بھی اس کی شدت





کے سامنے نہ چلے گا) اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا اور ان پر ذرا (ظلم نہ ہوگا، یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں (ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور ان میں یہ مجرم بھی داخل ہیں ان کا فیصلہ بھی بطریق مذکور کر سکتا ہے، یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے (پس قیامت ضرور آوے گی) لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں کرتے، وہی جان ڈالتا ہے، وہی جان نکالتا ہے (پس دوبارہ پیدا کرنا اس کو کیا مشکل ہے) اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے (اور حساب و کتاب اور پھر اس پر ثواب و عذاب ہوگا)

## مَعَارِف و مسائل

يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ یعنی جب قیامت میں مردے قبروں سے اٹھائے جاویں گے تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے جیسے کوئی طویل مدت ملے ہوئے نہ گزری ہو۔

امام بغوی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ پہچان شروع میں ہوگی بعد میں قیامت کے ہولناک واقعات سامنے آجائیں گے تو یہ پہچان منقطع ہو جائے گی اور بعض روایات میں ہے کہ پہچان تو پھر بھی رہے گی مگر ہیبت کے مارے بات نہ کر سکیں گے (مظہری)

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ اٰلْـٰٔنَ یعنی کیا تم ایمان اس وقت لاؤ گے جب تم پر عذاب واقع ہو جائے گا خواہ موت کے وقت یا اس سے پہلے ہی، مگر اس وقت تمہارے ایمان کے جواب میں یہ کہا جائے گا اٰلْـٰٔنَ کیا اب ایمان لائے ہو، جب کہ ایمان کا وقت گزر چکا، جیسے غرق ہونے کے وقت فرعون نے جب کہا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ جواب میں کہا گیا تھا اٰلْـٰٔنَ ، اور اس کا یہ ایمان قبول نہیں کیا گیا، کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہی رہتا ہے جب تک کہ وہ غرغرۂ موت میں گرفتار نہ ہو جائے یعنی غرغرۂ موت کے وقت کا ایمان اور توبہ اللہ کے نزدیک معتبر نہیں، اسی طرح دنیا میں وقوعِ عذاب سے پہلے پہلے توبہ قبول ہو سکتی ہے، جب عذاب آپڑے پھر توبہ قبول نہیں ہوتی، آخر سورت میں قوم یونس علیہ السلام کا جو واقعہ آرہا ہے کہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی، وہ اسی ضابطے کے ماتحت ہے کہ انہوں نے عذاب کو دور سے آتا ہوا دیکھ کر سچے دل سے الحاح و زاری کے ساتھ توبہ کر لی اس لئے عذاب ہٹا لیا گیا، اگر عذاب ان پر واقع ہو جاتا پھر توبہ قبول نہ ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي

اے لوگو! تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء دلوں کے

الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ

روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے کہہ اللہ کے فضل سے

وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور اس کی مہربانی سے سو اسی پر ان کو خوشی ہونا چاہیے، یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو جمع کرتے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا

تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام

وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ

اور کوئی حلال، کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر افترا کرتے ہو، اور کیا خیال ہے

الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

جھوٹ باندھنے والوں کا اللہ پر قیامت کے دن، اللہ تو فضل کرتا ہے

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ

لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے، اور تم ہوتا تو کسی حال میں

وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے

شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

حاضر تمہارے پاس جب تم مصروف ہوتے ہو اس میں، اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک

ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ

ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

جو نہیں ہے کھلی ہوئی کتاب میں۔

## خلاصۂ تفسیر

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی جو برے کاموں سے روکنے کے لئے نصیحت ہے اور (اگر اس پر عمل کر کے برے کاموں سے بچیں تو) دلوں میں جو (برے کاموں سے) روگ (ہو جاتے) ہیں ان کے لئے شفاء ہے اور (نیک کاموں کے کرنے کے لئے) رہنمائی کرنے والی ہے اور (اگر اس پر عمل کر کے نیک کاموں کو اختیار کریں تو) رحمت





اور ذریعۂ ثواب) ہے (اور یہ سب برکات) ایمان والوں کے لئے (ہیں کیونکہ عمل وہی کرتے ہیں، پس قرآن کے یہ برکات سنا کر) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (جب قرآن ایسی چیز ہے، تو لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے (اور اس کو دولتِ عظیمہ سمجھ کر لینا چاہئے) وہ اس (دنیا) سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں (کیونکہ دنیا کا نفع قلیل اور فانی ہے اور قرآن کا نفع کثیر اور باقی) آپ (ان سے) کہئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے (انتفاع کے) لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے (اپنی گھڑت سے) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا (حالانکہ اس کی تحریم کی کوئی دلیل نہیں تو) آپ (ان سے) پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا (محض) اللہ پر (اپنی طرف سے) افترا ہی کرتے ہو اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے (جو بالکل ڈرتے نہیں کیا یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آوے گی یا آوے گی مگر ہم سے باز پرس نہ ہوگی) واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے (کہ ساتھ کے ساتھ سزا نہیں دیتا بلکہ توبہ کے لئے مہلت دے رکھی ہے) لیکن اکثر آدمی بے قدر ہیں (دورنہ توبہ کر لیتے) اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور (منجملہ اُن احوال کے) آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور (اسی طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب (کے علم) سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں) اور نہ کوئی چیز اس (مقدارِ مذکور) سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی مگر یہ سب (بوجہ احاطۂ علمِ الٰہی کے) کتابِ مبین (یعنی لوحِ محفوظ) میں (مرقوم) ہے۔

## معارف و مسائل

پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کی بدحالی اور آخرت میں ان پر طرح طرح کے عذابوں کا بیان تھا۔

مذکورہ آیات سے پہلی دو آیتوں میں ان کو اس بدحالی اور گمراہی سے نکلنے کا طریقہ اور عذابِ آخرت سے نجات کا ذریعہ بتلایا گیا ہے اور وہ اللہ کی کتاب قرآن اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور انسان اور انسانیت کے لئے یہ دونوں ایسی عظیم نعمتیں ہیں کہ آسمان و زمین کی ساری نعمتوں سے اعلیٰ و افضل ہیں، احکامِ قرآن اور سنتِ رسول کی پیروی انسان کو صحیح معنی میں انسان بناتی ہے اور جب انسان صحیح معنی میں انسان کامل بن جائے تو سارا جہان درست ہو جائے اور یہ

دنیا بھی جنت بن جائے۔

پہلی آیت میں قرآن کریم کی چار خصوصیات کا ذکر ہے:

اول مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ، مَوْعِظَة اور وعظ کے اصلی معنی ایسی چیزوں کا بیان کرنا ہے جن کو سن کر انسان کا دل نرم ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے، دنیا کی غفلت کا پردہ چاک ہو آخرت کی فکر سامنے آجائے۔ قرآن کریم اول سے آخر تک اسی موعظہ حسنہ کا نہایت بلیغ مبلغ ہے، اس میں ہر جگہ وعدہ کے ساتھ وعید، ثواب کے ساتھ عذاب، دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کے ساتھ ناکامی اور گمراہی وغیرہ کا ایسا ملا جلا تذکرہ ہے جس کو سن کر پتھر بھی پانی ہوجائے، پھر اُس پر قرآن کریم کا اعجاز بیان جو دلوں کی کایا پلٹنے میں بے نظیر ہے۔

مَوْعِظَة کے ساتھ مِّن رَّبِّكُمْ کی قید نے قرآنی وعظ کی حیثیت کو اور بھی زیادہ بلند کردیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وعظ کسی اپنے جیسے عاجز انسان کی طرف سے نہیں جس کے ہاتھ میں کسی کا نفع و نقصان یا عذاب و ثواب کچھ نہیں، بلکہ ربِّ کریم کی طرف سے ہے جس کے قول میں غلطی کا امکان نہیں، اور جس کے وعدے اور وعید میں کسی عجز و کمزوری یا عذر کا کوئی خطرہ نہیں۔

قرآن کریم کی دوسری صفت شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ارشاد فرمائی، شفاء کے معنے بیماری دور ہونے کے ہیں، اور صُدُور، صدر کی جمع ہے جس کے معنی سینہ کے ہیں، مراد اس سے قلب ہے۔

معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم دلوں کی بیماریوں کا کامیاب علاج اور صحت و شفاء کا نسخہ اکسیر ہے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوا کہ وہ خاص دلوں کی بیماری کے لئے شفاء ہے، جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں (روح المعانی)

مگر دوسرے حضرات نے فرمایا کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی و روحانی ہو یا بدنی اور جسمانی، مگر روحانی بیماریوں کی تباہی انسان کے لئے جسمانی بیماریوں سے زیادہ شدید ہے اور اس کا علاج بھی ہر شخص کے بس کا نہیں، اس لئے اس جگہ ذکر صرف قلبی اور روحانی بیماریوں کا کیا گیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جسمانی بیماریوں کے لئے شفاء نہیں ہے۔

روایاتِ حدیث اور علمائے امت کے بیشمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے قلبی امراض کے لئے اکسیر اعظم ہے اسی طرح وہ جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک





شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے سینے میں تکلیف ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ یعنی قرآن شفاء ہے ان تمام بیماریوں کی جو سینوں میں ہوتی ہیں (روح المعانی از ابن مردویہ)

اسی طرح حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا کہ میرے حلق میں تکلیف ہے، آپ نے اس کو بھی یہی فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔

علماء امت نے کچھ روایات و آثار سے اور کچھ اپنے تجربوں سے آیاتِ قرآنی کے خواص و فوائد مستقل کتابوں میں جمع بھی کر دیئے ہیں، امام غزالیؒ کی کتاب خواص قرآنی اس کے بیان میں مشہور و معروف ہے جس کی تلخیص حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اعمالِ قرآنی کے نام سے فرمائی ہے، اور مشاہدات و تجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم کی مختلف آیتیں مختلف امراض جسمانی کے لئے بھی شفاء کلی ثابت ہوتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ نزولِ قرآن کا اصلی مقصد قلب و روح کی بیماریوں کو ہی دور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

اس سے ان لوگوں کی بے وقوفی اور کجروی بھی ظاہر ہوگئی جو قرآن کریم کو صرف جسمانی بیماریوں کے علاج یا دنیوی حاجات ہی کے لئے پڑھتے پڑھاتے ہیں، نہ رُوحانی امراض کی اصلاح کی طرف دھیان دیتے ہیں نہ قرآن کی ہدایات پر عمل کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے ؎

ترا حاصل ز یٰسینش جز این نیست　　　که از هم خواندنش آسان بمیری

یعنی تم نے قرآن کی سورۂ یٰسین سے صرف اتنا ہی فائدہ حاصل کیا کہ اس کے پڑھنے سے موت آسان ہوجائے، حالانکہ اس سورت کے معانی اور حقائق و معارف میں غور کرتے تو اس سے کہیں زیادہ فوائد و برکات حاصل کر سکتے تھے۔

بعض اہلِ تحقیق مفسرین نے فرمایا کہ قرآن کی پہلی صفت یعنی مَوْعِظَة، کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال کے ساتھ ہے جن کو شریعت کہا جاتا ہے، قرآن کریم ان اعمال کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے، اور شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ کا تعلق انسان کے اعمالِ باطنہ کے ساتھ ہے، جس کو طریقت اور تصوّف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں تیسری صفت قرآن کریم کی هُدًى اور چوتھی رَحْمَة بیان کی گئی ہے، هُدًى کے معنی ہدایت یعنی رہنمائی کے ہیں، قرآن کریم انسان کو طریق حق و یقین کی طرف دعوت